جاری کردہ
سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ماہنامہ ترجمان القرآن

فروری ۱۹۹۵

مدیر: خرم مراد

ادارۂ ترجمان القرآن

ماہنامہ
ترجمان القرآن

مدیر: خرم مراد

جلد ۱۲۱ | فروری ۱۹۹۵ شعبان ۱۴۱۵ | عدد ۲

فہرست مضامین

برائے ادارتی امور

منصورہ ملتان روڈ لاہور ۵۴۵۷۰ فون نمبر ۸-۷۵۷۰۱۳۳ فیکس (۰۴۲) ۷۵۷۴۷۱۹

برائے انتظامی امور

ماہنامہ ترجمان القرآن:- ۵- اے ذیلدار پارک ' اچھرہ ' لاہور-

فون نمبر سرکولیشن:- ۷۵۸۷۹۲۹ انتظامی امور:- ۷۵۸۵۵۹۰

زر سالانہ بذریعہ منی آرڈر یا بنک ڈرافٹ ترجمان القرآن لاہور کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔

کراس چیک قبول نہیں کیے جائیں گے۔

قیمت فی شمارہ: /۱۲ روپے ' زر سالانہ: /۱۲۰ روپے (اندرون ملک)

مشرق وسطیٰ /۴۵۰ روپے- بنگلہ دیش /۳۰۰ روپے- یورپ / مشرق بعید ۶۰۰ روپے-

امریکہ / کینیڈا / آسٹریلیا ۷۰۰ روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ملک عید پرنٹرز لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ ' لاہور سے شائع کیا۔

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ اچھرہ ' لاہور (پاکستان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

خرّم مراد

مایوسی کا مرض ' ایک خطرناک مرض ہے ' کسی فرد کو لاحق ہو یا کسی قوم کو۔ لیکن مومن کے لیے مایوسی کینسر کا حکم رکھتی ہے۔ خصوصاً اس کے لیے جس نے دعوت ' اصلاحِ خلق اور انقلابِ اجتماعی کا بیڑا اٹھایا ہو۔ اور کون مسلمان ہے جو اپنی بساط بھر اس ذمہ داری کو اٹھائے بغیر اپنے ایمان کے دعوے میں سچا ہو سکتا ہے: "ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ؐ پر ایمان لائے ' پھر وہ کسی شک اور تذبذب میں نہ پڑے ' اور انھوں نے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کیا۔ یہ لوگ جو ہیں ' وہی (اپنے ایمان میں) سچے ہیں" (الحجرات ۴۹:۱۵)۔

دعوت و اصلاح اور اجتماعی انقلاب کا کام تمام نیک کاموں میں سب سے چوٹی کا کام ' اور سب سے بڑھ کر پھلنے پھولنے والا ' بے حد و حساب اجرِ عظیم کا حامل کام ہے۔ کسی ایک خیر کی راہ دکھانے پر ہی اتنے اجر کی بشارت ہے جتنا اسے کرنے والے کے لیے ہے (مسلم)، اور اسی طرح صرف ایک آدمی کو صحیح راستے سے لگا دینے کو "سرخ اونٹنیوں کے ایک ریوڑ" سے کہیں زیادہ نفع بخش دولت قرار دیا گیا ہے (بخاری، مسلم)۔ پھر ان کوششوں اور جدوجہد کا درجہ متعین کرنا کس کے بس میں ہے جو اصلاحِ معاشرہ اور نظامِ حق کے قیام جیسے مقاصد کے لیے ہوں ' جن کے نتیجے میں خیر کی بہار آئے اور اس کے پھلوں سے ان گنت لوگ فائدہ اٹھائیں۔ سید احمد شہید کے الفاظ میں: قوانینِ شرعیہ کی پابندی کی وجہ سے دینوی اور اُخروی معاملات درست اور باقاعدہ ہو جاتے ہیں۔ معاملات میں نیت کی درستی ' اور دلوں میں اطاعت کی طرف عام رغبت پیدا ہوتی ہے ' اور نیکوکاری اور خدا ترسی کا شوق ترقی کر جاتا ہے۔ حکمرانوں کے انصاف اور ان کی سخاوت کی فیاضی کی وجہ سے فارغ البالی اور خوش حالی عام ہوتی ہے ' فصلیں اچھی ہوتی ہیں ' تجارت کا فروغ ہوتا ہے اور مالوں میں ترقی اور نمو ہوتا ہے۔

فرمایا ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: ایک رات دن جہاد میں گزارنا ' ایک ماہ کے روزوں اور

قیام سے افضل ہے (مسلم)۔ ہر مرنے والے کے اعمال نامے پر مُہر لگا دی جاتی ہے مگر اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کا عمل قیامت تک بڑھتا رہتا ہے (ابو داؤد، ترمذی)۔ جس نے کسی نیکی کو قائم کر دیا' اس کے لیے اس کا اجر ہے جب تک اس پر عمل کیا جائے' زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی (طبرانی)۔

اس لیے شیطان سب سے زیادہ چالاکی اور تن دہی کے ساتھ جس کام کو خراب کرنے کے لیے گھات لگاتا ہے اور جال بچھاتا ہے' وہ قوم اور معاشرے کی اصلاح اجتماعی کا کام ہے۔ اس کے پھندے اور فریب بے شمار ہیں' لیکن سب سے خطرناک اور کارگر جال جو وہ پھیلاتا ہے' وہ مایوسی اور ناامیدی کا جال ہے۔ وہ خود ابلیس ہے' یعنی انتہائی مایوسی کا مارا ہوا' اس لیے خوب جانتا ہے کہ جو ایک دفعہ اس جال میں پھنس جائے وہ اور پھنستا' پیچھے ہٹتا اور پستی میں گرتا ہی چلا جاتا ہے۔

اصلاح قوم کے کام کی نوعیت ہی ایسی ہے۔ قدم قدم پر مایوسی کے اندھیرے چھاتے چلے جاتے ہیں' اور انسان بہ آسانی مایوسی کے کینسر کا شکار ہو جاتا ہے۔ دنیا کے دوسرے کام بالعموم ایسی چیزوں سے متعلق ہوتے ہیں جن کو انسان اپنے ارادے اور فن سے اپنے حسب ضرورت ڈھال سکتا ہے' وہ ان قوانین سے بھی واقف ہوتا ہے جن کے مطابق یہ کام ہوتا ہے' اور ایک معقول حد تک نتائج اور رفتارِ کار کا اندازہ بھی وہ کر سکتا ہے۔ لیکن فرد اور قوم کی اصلاح میں اس کا سارا واسطہ انسان اور اجتماعیت سے پڑتا ہے۔ وہ اپنے ارادے اور فن سے لوہے کو موم کر سکتا ہے' پتھر کے دل کو کیسے نرم کرے؟ وہ پہاڑوں کا سینہ چیر کر سونا نکال سکتا ہے' شخصیت کی کانوں میں سے سونا کیسے برآمد کرے؟ وہ جانتا ہے کہ گندم کی بالی اور سیب کے درخت کن عوامل کی مدد سے اور کتنی مدت میں سنہرے دانے اس کی گود میں ڈال دیں گے' لیکن وہ نہیں جانتا کہ سچائی' عدل' رحم اور وفا کے بیج کس طرح اور کتنے وقت میں بار آور ہوں گے۔ وہ اینٹ پر اینٹ رکھ کر ایک مضبوط دیوار بنا سکتا ہے' لیکن جہاں ہر اینٹ کی خُو الگ' وضع الگ' شناخت الگ' بھٹی الگ ہو' وہاں وہ ایک پختہ اور قابل اعتماد دیوار کیسے بنائے؟ وہ حساب لگا سکتا ہے کہ رات کب ختم ہوگی اور صبح کب طلوع ہوگی' لیکن اس کے پاس کوئی فارمولا نہیں جو یہ بتا دے کہ قوم کی شبِ تاریک کب سحر ہوگی؟ اور سحر ہو بھی گئی تو کیا یہ سحر وہی سحر ہوگی جس کو اس نے اپنے نالہ ہائے نیم شبی سے سینچا تھا' اور جس کی دید کی تمنا میں اس کی آنکھیں پتھرا گئی تھیں؟

شیطان ہر طرف سے مایوسی کے لشکر ہزار بھیس میں چڑھا کر لاتا ہے۔ ابھی انسان اپنی اہلیت اور تقویٰ کے بارے میں مایوسی کے پھندے --- میرا تقویٰ اور صلاحیت اس لائق کہاں؟ --- سے بڑی

مشکل سے نکل ہی پاتا ہے' کہ دوسرے لوگوں کی خامیوں اور کوتاہیوں' معیار مطلوب سے فروتری' اور نقائص اور نااہلیتوں کا علم اور مشاہدہ اسے ڈھیر کر دیتا ہے۔ گویا کہ اللہ نے عدل و رحمت کے تقاضوں کو فراموش کر کے اس پر ایسا بوجھ لاد دیا ہے جو اس کے بس سے باہر ہے۔ یا' دوسروں کی بداعمالیوں کا بوجھ بھی اسے ہی اٹھانا ہے' اور دوسروں کے نقائص خود اس کی ذمہ داری کو ساقط کر سکتے ہیں۔ ان مایوسیوں پر وہ قابو پاتا ہی ہے کہ راہ کی مشکلات منہ پھاڑے سامنے آکھڑی ہوتی ہیں: زمانہ بڑا خراب ہے--- مادہ پرستی اور خود غرضی کا غلبہ ہے--- کوئی بات سنتا ہی نہیں--- روٹی' پیسہ اور مکان' رنگ' نسل اور زبان کے نعروں میں جو کشش ہے' اس کا مقابلہ ممکن نہیں--- مسائل لاینحل ہیں۔ لیڈر سب مفاد پرست' اقتدار کے بھوکے اور قوم کو بیچ کھانے والے ہیں--- ہر شخص چور ہے اور ہر شخص قانون شکن' پٹواری اور مجسٹریٹ سے لے کر کمانڈر' وزیر اعظم اور صدر تک--- لوگ انھی کے پیچھے دوڑتے ہیں--- جہالت' پیسے کا لالچ' سیکڑوں سال کی جاگیرداری غلامی' اخلاقی پستی' اب دعوت و اصلاح سے کیا بنے گا' نہ لیڈروں کے کانوں پر جوں رینگتی ہے نہ عوام کے--- اب تو اس صورت حال کا علاج: ڈنڈا ہے یا ایک خونی انقلاب۔

مایوسی کے ان سارے پھندوں کو توڑنے کے لیے علم و حکمت بھی درکار ہے' بڑی ہمت اور حوصلہ بھی۔

ہمیں پورا یقین ہے کہ ہماری قوم و وطن کی بظاہر انتہائی بگڑی ہوئی' تشویش ناک اور مایوس کن حالت میں تغیر و تبدیلی اور اس کے بظاہر لاینحل مسائل کا حل بالکل ممکن ہے۔ اس کی کنجی موجود ہے۔ لیکن یہ کنجی نہ ڈنڈے میں ہے' نہ خونی انقلاب میں' نہ محض خوش نما مواعظ میں' نہ جھوٹی تمناؤں اور خوش فہمیوں میں' اور نہ شیخ چلی کے خوابوں میں۔ یہ کنجی ہم لوگوں کی مٹھی میں ہے۔ ہمارے شعور' ارادے اور کوشش میں ہے۔ اگر لوگوں کے اپنے چاہے اور کچھ کیے بغیر' صرف جبر کے ذریعے' لوگوں کی حالت میں تغیر برپا ہو جایا کرتا' تو رحیم و حکیم خالق کے جس قانونِ امتحان اور جزا و سزا پر یہ دنیا تخلیق کی گئی ہے' وہی باطل ثابت ہو جاتا۔ ہمارے ملک کے لیے بھی' دوسری قوموں کی طرح' ناقابل مفر ضعف مقدر ہے نہ مرگ۔ وہ پستی سے بلندی کی طرف اٹھ سکتی ہے' ضعیفی سے شباب کی طرف پلٹ سکتی ہے' قومِ یونس کی طرح موت و ہلاکت کے گڑھے سے نکل کر زندگی سے ہمکنار ہو سکتی ہے۔ جو اصلاح خلق اور انقلابِ اجتماعی کا بیڑا اٹھائے' اس کا دل کتنا ہی غم و اندوہ سے بھرا اور گھنتا رہے' اس کے سینے میں ہمیشہ امید کا سمندر موجزن رہنا چاہیے۔

امید کے معنی یہ نہیں کہ ہم حالات و حقائق سے ناواقف رہیں ' یا ان کو نظرانداز کر دیں ' شترمرغ کی طرح ریت میں سر چھپالیں ' تلخ اور سنگین حقیقتوں سے نگاہیں چار نہ کریں ' طفل تسلیوں اور خوش فہمیوں کے سہارے زندہ رہیں ' رہزنوں سے امیدیں باندھ کر ان کو اپنا رہبر بنالیں ' تاریخ اور فطرت کے قوانین سے آنکھیں بند کر کے ہر لمحہ یہی مسکیں راگ الاپتے رہیں کہ بس تبدیلی تو آیا ہی چاہتی ہے۔ شیخ چلّی کی طرح خواب دیکھنے والے بالآخر اپنے ہاتھوں وہ متاعِ قلیل بھی ضائع کر دیتے ہیں ' جس کے بل بوتے پر تبدیلی اور تعمیر کا کام ہونے کی امیدیں قائم کی جاسکتی ہیں۔ یقیناً پاکستان کے لیے امید کا خزانہ ضروری ہے ' لیکن کچھ کر لے جانے کے لیے' اس تلخ حقیقت سے آغاز کیے بغیر چارا نہیں کہ ہمارا ہر شعبہ زندگی زوال اور بگاڑ کا شکار ہے ' اور اس کی ذمہ داری سب سے بڑھ کر ہر شعبے کی قیادت پر ہے۔ کوئی مسئلہ لاینحل نہیں -- سیاسی عدم استحکام ہو ' بدامنی ہو ' کراچی کی خون ریزی ہو ' یا کچھ اور -- لیکن جن کے ہاتھوں میں مسائل کی گرہیں کھولنے کا اختیار ہے ' وہ حالات کو مزید بگاڑنے کے علاوہ اور کچھ کرنے کو تیار نہیں۔ اب یا تو وہ اپنی اصلاح کریں ' یا ان کو اٹھا کر پھینک دیا جائے ' اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں۔ ہماری اس تشخیص کا کوئی تعلق امید یا مایوسی سے نہیں ' لیکن اگر یہ تشخیص صحیح ہے تو جو لائحۂ عمل کامیاب ہوگا وہ اسی تشخیص کی بنیاد پر ہوگا۔ اس لائحہ عمل کے حصول کے لیے تدابیر کی نوعیت ' ان کے درمیان تقدیم و تاخیر اور تدریج و ترتیب کا انحصار بھی کلیتاً اس تشخیص پر نہیں۔ ظاہر ہے کہ بہ یک وقت نہ سب کی اصلاح ہو سکتی ہے ' نہ سب کو اٹھا کر پھینکا جاسکتا ہے ' نہ سب کی اصلاح سے ہاتھ دھوئے جاسکتے ہیں۔

ہم اس بات کو انصاف کی بات نہیں سمجھتے کہ لعنت ' ملامت اور مذمت کا سارا بوجھ قیادت کے سر پر ڈال دیں ' اور تحسین و آفرین کے سارے ڈونگرے عوام کے سر پر برسا دیں۔ عوام بھی ذمہ دار ہیں۔ وہی سیاسی لیڈروں کے پیرِ تسمہ پا کو اپنی گردنوں پر بٹھاتے ہیں۔ اگرچہ صدیوں سے جس نفسیاتی ' سماجی ' معاشی اور سیاسی شکنجے میں وہ کسے ہوئے ہیں ' انھیں اس کی پیدا کردہ بے بسی کا الاونس دینا ضروری ہے۔ ان کی دنیا پرستی اور اخلاقی زوال کا اعتراف بھی ضروری ہے ' اگرچہ اس میں فقر کی مجبوری کو زیادہ دخل ہے ' ہوسِ تکاثر کی تشویق کو بہت کم ' جو مترفین کے قلوب و اعمال کو چاٹ گیا ہے۔ افتراق و انتشار ' گوسالہ پرستی اور خون ریزی کے جرم سے وہ بری نہیں ہو سکتے ' لیکن اصل مجرم تو سامریانِ وطن ہیں ' جنھوں نے اس راہ پر انھیں لگایا ہے۔ ان کی جہالت کو ہم موردِ الزام نہیں گردانتے ' کیونکہ عصرِ حاضر کی تعریف کے مطابق "تعلیم یافتہ" ' لیڈر ' جنرل ' افسر ' اخبار نویس ' تاجر ' عالم

اور استاد جہالت کے کارناموں میں ان سے کوسوں آگے ہیں۔

عوام کی ہزار خرابیوں کے باوجود' وہ اصلاح پذیر ہوں اور اصلاح کرنے کے لیے کھڑے ہوں تو اصلاح کا راستہ کھل سکتا ہے۔ ہم ان میں خیرو صلاح کا بڑا خزانہ دیکھتے ہیں۔ ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی۔ ضرورت ان کے دلوں کے تالے کھولنے اور ان کے اندر روشنی کرنے کی ہے۔ ہمارے پاس کلید بھی ہے 'ید بیضا بھی' لیکن ہم ان کے استعمال سے ناواقف یا غافل ہیں۔ ہم پُرامید ہیں کہ جیسے ہی ہم ان کے دلوں تک پہنچنے کے قابل ہوں گے' ان میں حیاتِ طیبہ کی رَو دوڑنے لگے گی' اور ربِّ غفور ان کے لیے بلدۂ طیبہ کے دروازے کھول دے گا۔ ان میں . . اقتل کر کے صحیح منزل کی طرف چلنے والے بھی ہوں گے' ان میں ویسے ہی راہ چلتے حلقۂ ذکر میں بیٹھنے والے بھی ہوں گے۔

ہم ان سے اسی ہی طرح پُرامید ہیں جس طرح ہمارے نبی ؐ مکہ والوں کی زبردست عداوت و انکار اور جبرو استبداد کے مقابلے میں فرماتے تھے: "میرے ربّ' میری قوم کو ہدایت دے' یہ جانتے نہیں!" یا جس طرح آپ ؐ نے اہلِ طائف کے بارے میں فرمایا تھا۔۔ جبکہ آپ ؐ زندگی کا سب سے زیادہ سخت اذیت ناک دن گزار کر اس حال میں طائف سے واپس آ رہے تھے کہ پتھر مار مار کر گرائے گئے تھے' گھٹنے چور ہو گئے تھے' پنڈلیاں گھاؤ ہو گئی تھیں' کپڑے لال ہو گئے تھے' اور پہاڑوں کا فرشتہ' جبریل امین کو ساتھ لیے کھڑا' طائف کی وادی کو پہاڑوں کے درمیان پیس دینے کی اجازت طلب کر رہا تھا۔۔ فرمایا تھا: "میں مایوس نہیں ہوں کہ ان کی پشت سے ایسی نسلیں نکلیں جو اللہ ہی کی بندگی کریں' اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں"۔ اللہ اللہ' امید کا ایسا اتھاہ سمندر جو آنے والی نسلوں تک پر محیط ہے! بڑا سبق ہے اس میں ان لوگوں کے لیے جو آج کے رَدّ کرنے والوں کو آج ہی جہنم واصل کرنے کے خواہاں ہوتے ہیں' اور جن کی زبانیں ان کی مذمتیں کرنے سے نہیں تھکتیں۔ سینۂ مصطفوی ؐ میں امید کی اس آواز نے آگ کو باغ کر دیا' اور ثقیف کی موت کے پروانے کو زندگی کی بخشش بنا دیا۔ ہر رسول اور نبی کا ایسا ہی عالم تھا: میری قوم' میری قوم' کہتے ان کی زبان نہ سوکھتی' اور جب قوم کی ہلاکت کا وقت آ ہی جاتا' تو یہ کہتے ہوئے رخصت ہوتے: "میں تو تمھاری خیرخواہی ہی کرتا رہا' لیکن تم کو اپنے خیرخواہ پسند نہیں۔۔ جو انکار پر تُل ہی گئے' میں ان پر کیسے افسوس کروں"۔

اپنی قوم کی اصلاح کا دعویٰ کرنا' اسی کے ذریعہ اصلاحِ اجتماعی بروئے کار لانے کی حکمتِ عملی کا قائل ہونا' اسی سے جھٹ مایوس ہو جانا' اور اس کو لعنت ملامت اور برُا بھلا کہنا شروع کر دینا' یہ رَوش مایوسی کے ساتھ کِبر اور عجلت پسندی جیسے امراض کا پتا بھی دیتی ہے۔ ہم قوم کے امراض کی حقیقت پسندانہ تشخیص کی ضرورت کے باوجود' اس رَوِش کو مُہلک اور اللہ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ سمجھتے ہیں۔

قیادت کے بحران کا لفظ ہر شخص کی زبان پر ہے۔ پاکستان بڑا بدقسمت ملک لگتا ہے کہ کسی شعبہ زندگی میں اسے اہل ' امانت دار اور محبِ وطن قیادت میسر نہیں آئی۔ اس تلخ داستان کو دہرانا ایک تکلیف دہ کام بھی ہے ' اور غیر ضروری بھی۔ تعلیمی ادارے روز بروز گرتے ہوئے معیار کے حامل انسان بنا بنا کر بھیج رہے ہیں۔ گیہوں اور کپاس جیسی فصلوں کی پیداوار خطرناک حد تک کم ہو چکی ہے ' آب پاشی کا نظام تباہ حال ہے۔ ڈاکٹر گھر بیٹھے تنخواہیں لیتے ہیں اور ہیلتھ سنٹروں میں خاک اڑتی رہتی ہے۔ صنعتی ترقی کا ڈھنڈورا خوب پیٹا گیا ہے 'بلکہ ترقیاتی وسائل کا بڑا حصہ اسی کی نذر ہو رہا ہے ' لیکن صنعتی پیداوار برابر گر رہی ہے۔ سڑکیں اور ریلیں اپنے حکمرانوں کے مجرمانہ تغافل پر نوحہ خواں ہیں۔ ملک کی سلامتی اب اتنی مخدوش ہوگئی کہ حکومت قیمتی ساحلی زمین (کتنی ؟' یہ نہیں معلوم 'کس قیمت پر؟ نہیں معلوم 'کن شرائط پر؟ نہیں معلوم) بیرونی طاقتوں کے حوالے کر رہی ہے ' اور انتہائی بے شرمی سے اس کا جواز یہ پیش کرتی ہے کہ "پاکستان میں زمین خریدنا غیر قانونی نہیں"۔ گویا کل امریکا سارا پاکستان بولی لگا کر خرید لے تو یہ عین قانونی فعل ہو گا اور حکومت کے لیے بالکل ناقابلِ اعتراض 'بلکہ عین پسندیدہ۔

اس کے باوجود کہ سیاسی انتشار و عدم استحکام ہو' معاشی اور تعلیمی زبوں حالی' یا پاکستان کے اسٹرے ٹیجک مفادات کی خرید و فروخت --- اس کے لیے اصل ذمہ داری قیادت کی ہے 'ہم اس سے بالکل مایوس نہیں کہ "قومے فروختند وچہ ارزاں فروختند" اور "میں نہ مانوں" کی اس روش پر گامزن لیڈروں کے بھی دل بدل جائیں اور وہ صحیح راستہ دیکھنے اور چلنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ اگر نبی کریم ؐ یہ امید رکھ سکتے تھے کہ ابوجہل یا عمرؓ جیسے اسلام کے کٹر دشمن حلقہ بگوشِ اسلام ہو سکتے ہیں' فاتح احد خالد بن ولیدؓ ' ابو سفیانؓ ' عمرو بن العاصؓ اور معاویہ بن سفیانؓ جیسے عرب کے سیاسی دماغ کاروانِ اسلام کو لے کر آگے بڑھ سکتے ہیں 'اگر ایک مردِ درویش کے ہاتھوں 'ہلاکو خان کا وارثِ تخت و سلطنت مسلمان ہو سکتا ہے اور عثمانیوں کا ۵ سو سالہ دورِ عروج ظہور پذیر ہو سکتا ہے 'تو آج ہمیں اس بات سے مایوس کرنے والی کیا بات ہو سکتی ہے کہ پاکستان کا کوئی سیاسی لیڈر سچے دل سے اسلام کا علمبردار بن جائے 'یا مغرب کا کوئی لیڈر اسلام کی صف میں شامل ہو جائے۔

یہ صحیح ہے کہ بعض انسانوں کے دل پتھر اور لوہے سے زیادہ سخت ہو جاتے ہیں۔ موت اور بے حسی کے شکنجوں میں وہ اس طرح کس جاتے ہیں کہ ایک مسیحا نفس کی صدائے قُم باذنِ اللہ سے مُردے

اٹھ کر چل پڑتے ہیں' لیکن وہ صور کی آواز سے بھی ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ لیکن اگر دلوں کے قفل کھل جائیں تو ان کی اثر پذیری کا عالم ہی دوسرا ہوتا ہے۔ چند پاک کلمات سے پتھر کے دل پگھل کر آنکھوں کی راہ بہہ نکلتے ہیں۔ (تَرٰٓی اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ اور یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ یَبْکُوْنَ)۔ مردہ دل کپکپانے اور دھڑکنے لگتے ہیں (وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ) سینے کھل جاتے ہیں اور نور سے بھر جاتے ہیں (اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ) موت کے مارے ہوئے معنوی اور اخلاقی وجود زندہ ہو کر چلنا شروع کر دیتے ہیں (اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ)۔

ہاں' یہ سب ہونا آج بھی ممکن ہے۔ نہ انسان بدل گئے ہیں' نہ کتاب الٰہی۔ اس سوال نے مصلحین کو ہمیشہ اطمینانِ قلب کا متلاشی بنایا ہے: "میرا رب' مُردوں کو زندگی کیسے بخشے گا؟" — "وہ بستی پر مُردنی طاری ہونے کے بعد اللہ کیسے زندہ کرے گا؟"۔ انسانوں کے دل اللہ کے نزدیک اس طرح ہیں گویا اس کی انگلیوں کے درمیان' اور وہ ان کو الٹتا پلٹتا رہتا ہے۔ پاکستان کے حالات سے کتنی ہی مایوسی ہو' بگاڑ کتنا ہی بڑھ گیا ہو' لیڈر کتنے ہی نااہل' بدعنوان اور قوم فروش ہوں' عالمی طاقتیں کتنی ہی قوت سے ہمارا گلا گھونٹنے میں مصروف ہوں' امید اور جذبِ دروں کے ساتھ آج بھی صرف یہی صدا دلوں میں تبدیلی اور حیاتِ اجتماعی میں تبدیلی کے لیے بانگِ جرس ثابت ہو سکتی ہے:

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ (الحدید ۵۷:۱۶)

کیا ابھی وقت نہیں آیا ایمان والوں کے لیے کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے پگھلیں' اور اس حق کے آگے جھک جائیں جو اس نے اتارا ہے' اور ان اہل کتاب کی طرح نہ ہو جائیں جن پر ایک لمبی مدت گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے۔

اس صدا کی کامیابی کے لیے امید کا سرچشمہ اللہ کے علاوہ کچھ نہیں' اور وہی سب کچھ ہے:

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (الحدید ۵۷:۱۷)

خوب جان لو! اللہ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیتا ہے۔

اپنے اندر اور باہر امنڈنے والے مایوسی کے تاریک لشکروں کا مقابلہ روشنیوں کا وہ شہر ہی کر سکتا ہے جو منارۂ اسوۂ مصطفوی ؐ کے دم سے آباد ہے۔ غارِ حرا سے یکہ و تنہا واپسی کے بعد یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا کے ہجوم تک آپ ؐ کا ایک ایک سانس اور ایک ایک لمحہ اس امید اور صدا سے معمور ہے۔ اس منارے کے نور کا منبع وہ ذات ہے جو نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے۔ روشنی آتے ہی اندھیرا بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ چراغِ مصطفوی ؐ کی روشنی میں ہم اپنا سفر طے کریں تو مایوسی کے پاؤں

نہیں تھک سکتے۔

رمضان کے مبارک مہینے کا سایہ آپ کے سروں پر ہے۔ یہ مہینہ امیدوں کی روشنیوں کا مہینہ ہے' یہ مہینہ مختوں کا مہینہ ہے' یہ مہینہ بے حد و حساب اجر اور نتائج کا مہینہ ہے۔ اس مہینے نے وہ صبح دیکھی جب حضور ؐ لرزتے اور کپکپاتے غارِ حرا سے قرآنِ فرقان کی نعمت لے کر واپس گھر آئے' اور آپ ؐ کی زبان پر "مجھے اپنی جان کا ڈر ہے" کے الفاظ تھے۔ پھر اس مہینے نے وہ دن دیکھا جب بدر کے میدان میں زندگی نے موت پر فتح پائی' صرف اہلِ عرب کے لیے نہیں' رہتی دنیا تک انسانیت کے لیے یہ دن یوم الفرقان قرار پایا۔ پھر اسی مہینے نے وہ دن بھی دیکھا جب غارِ حرا سے اترنے والا اور مکہ سے نکالا جانے والا' صلی اللہ علیہ وسلم' مکہ میں اس شان سے داخل ہوا کہ اس کا سر اونٹنی پر اپنے رب کے آگے جھکا ہوا تھا' اس کے اِرد گرد ہزاروں قدسیوں کے لشکر تھے' اور ایک قطرۂ خون بہائے بغیر مرکزِ ارضی' بیتِ ربانی' خانہ کعبہ کے دروازے کی کنجی اس کے ہاتھ میں تھی۔ وہی دروازہ جو اس کے لیے کھولنے سے انکار کر دیا گیا تھا' اور اس نے کامل یقین اور امید سے بھرپور لہجے میں کہا تھا کہ ایک دن یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی۔ یہ دن یوم الفتح کا دن تھا۔

خانہ کعبہ کی کنجی کچھ اچانک یونہی آپ ؐ کے ہاتھوں میں نہیں آگئی تھی۔ نہ حرا' کوہ صفا اور طائف سے یَدخُلُونَ فِی دِینِ اللّٰہِ اَفوَاجاً تک کا انقلاب کوئی حادثہ تھا۔ نہ نزولِ قرآن کی سحر سے لے کر یوم فتح کی صبح تک کا سفر صرف خواہشات' تمناؤں اور دعاؤں کے بل پر طے ہوا تھا۔ کعبہ کی کنجی ہاتھ میں آنے سے پہلے لوگوں کے دلوں کی کنجیاں آپ ؐ کی مٹھی میں تھیں' اسی لیے آپ ؐ کو کعبہ کی کنجی عطا ہوئی۔ اس سے پہلے کہ مکہ اپنے دروازے کھولے' بستی بستی' خیمہ خیمہ' دل دل آپ ؐ کے لیے پھاٹک کھل چکے تھے' اور اسی لیے یہ ممکن ہوا کہ ایک قطرۂ خون بہائے بغیر آپؐ مکہ میں داخل ہو جائیں۔

یہ نبی کریم ؐ کی رات دن کی جدوجہد تھی۔ یہ آپؐ کی ہردم' ہرلحہ' انتھک' دعوت الی اللہ کی کاوش تھی۔ یہ آپ ؐ کی پیار اور رحمت کی رَوِش' دل کی نرمی' اخلاقِ کریمانہ' خلقِ عظیم اور قربِ الٰہی کی تاثیر تھی کہ یہ معجزہ رونما ہوا۔ اس پورے عرصے میں آپؐ کو حقائق کی سنگینی اور تلخی کا پورا ادراک تھا' آپ ؐ نے ہر تدبیر کی' لیکن کسی لمحے بھی جھنجلاہٹ' غصہ' مایوسی اور انتقام کا شائبہ بھی آپؐ کے دل میں اور آپؐ کی رَوِش میں پیدا نہ ہوا۔ دشمن ایک ایک کر کے آتے گئے' قدموں پر ڈھیر ہوتے گئے' اور آپؐ ان کو جھاڑ پونچھ کر سینے سے چمٹاتے رہے۔ یہی ورثۂ نبوی ؐ ہے' جس کے ضیاع یا جس سے غفلت کی وجہ سے ہم آج درماندہ اور حیران و پریشان ہیں۔ روشنیوں کا جو مہینہ آج ہمارے اوپر

سایہ کیے ہوئے ہے' اس کا حاصل بھوک پیاس نہیں' رتجگا نہیں' افطار و سحر کی مدارات نہیں۔ اس کا حاصل یہی ورثہ نبوی ہے۔ اس مہینے میں حضورؐ بارش بھری ہواؤں سے بھی زیادہ فیاضی اور سخاوت کی بارش برسایا کرتے تھے۔ روحانی و اخلاقی فیوض کی بارش بھی' مادی و مالی فیوض کی بھی۔ اس لیے کہ یوم حرا سے یوم بدر تک اور یوم بدر سے یوم فتح تک کا سفر طے کرنے کے لیے جو زندگی اور روئیدگی ناگزیر ہے وہ اسی بارش کے فیض سے حاصل ہو سکتی ہے۔

نیت کی پاکیزگی' اخلاص اور بے غرضی' قرآن کا قرب' قیام لیل' تقویٰ' صبر' محبت و موانست' نفس و زبان پر لگام' غصے اور جھگڑے سے اجتناب--- اس سفر کے لیے جو زادِ راہ درکار ہے' اس کے سارے نشانات اور حصول کے راستے اس ماہ مبارک میں موجود ہیں۔ فرمایا گیا پیٹ کو کھانے پینے سے فاقہ کرانا' روزہ نہیں۔ روزہ تو یہ ہے کہ زبان کو بیہودہ و بیکار اور شہوانی بات چیت سے فاقہ کراؤ۔ اگر کوئی تمھیں گالی دے یا جھگڑے پر اتر آئے' تو کہہ دو میں روزے سے ہوں! میں روزہ سے ہوں! (ایسی باتوں میں نہیں پڑ سکتا)۔ آج کے مُصلحین' رمضان سے یہی ایک خصلت حاصل کر لیں' تو خیر کثیر حاصل کر لیں گے۔ فرمایا گیا: جن کے لیے مغفرت عام نہیں ان میں سے ایک وہ ہے جو دوسروں سے بغض و عداوت اور نفرت رکھنے والا ہے۔ دلوں میں جھانک کر دیکھیے' ہم ان گندگیوں سے کتنے پاک ہیں۔

کیا رمضان کے یہ لمحات ، بارہ نصیب ہوں گے؟ کون کہہ سکتا ہے' ہاں۔ پھر ان کو غنیمت جانیں ان کو ضائع نہ جانے دیں' ان سے پورا فائدہ اٹھائیں۔ مایوسیوں کا دامن جھٹک دیں' جھوٹی امیدیں بھی نہ باندھیں' مرثیے پڑھنا بھی چھوڑ دیں۔ یقین رکھیں کہ اس گھٹاٹوپ اندھیرے میں اگر روشنی کی کرن نمودار ہوگی' اور پیاسی' چٹختی دھرتی میں روئیدگی نمودار ہوگی' تو کچھ کرنے سے ہوگی' عمل سے زندگی بنتی ہے' جنت بھی جہنم بھی' اور ہمارے کرنے سے ہوگی۔ ہم بارش کا پہلا قطرہ بنیں گے تو اللہ تعالیٰ کو ہمارے پاکستان اور ہماری قوم کا مقدر بدلتے کیا دیر لگتی ہے۔ وہ مالک الملک ہے' مُردے میں سے زندہ کو نکالتا ہے' دیتا ہے تو بلا حساب دیتا ہے۔

اپنی اصلاح کی بھی فکر کریں' خیر اور تقویٰ عام کرنے اور اس کی بہار لانے کی بھی۔ بدکاروں کے خلاف نفرت و عداوت کے بجائے ان کے لیے نصیحت و خیر خواہی' ان سے امید' اور ان کی نصرت (ان کا ہاتھ پکڑنے) کی روش اختیار کریں۔ سب کو یہی صدا دیں' سب کو جگائیں' سب کے دلوں کی آبیاری کریں۔

وہی دیرینہ بیماری' وہی نامحکمی دل کی
علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی

کیا آپ اپنی آمدنی دوگنا کرنا چاہتے ہیں؟

یعنی ۱۰۰ فیصد اضافہ

آزمودہ نسخہ:

آمدنی کا ۱۰ فیصد اللہ کی راہ میں بالالتزام انفاق کرنا شروع کر دیجیے

۱۰ گنا اجر سے آمدنی دوگنی ہو جائے گی

دوگنی ہی نہیں بلکہ اضعافاً مضاعفہ

جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا جائے اور اس سے سات بالیں نکلیں اور ہر بال میں سو دانے ہوں (البقرہ)۔

اللہ کی بات سے زیادہ سچی بات کس کی ہے؟

ومن اصدق من اللہ قیلا

پس کون ہے جو اللہ کو سچا جانے اور دل اور جیب کھول کر آگے بڑھے، اپنے دانے بوئے

اور وقت پڑنے پر لہلہاتی فصل کاٹے!!

اور پھر یہ تو ماہ رمضان ہے ۷۰۰ گنا بونس کا مہینہ۔

(بندۂ خدا)

(اشتہار)

۶۰ سال پہلے

جن کی حقیقت کے متعلق شبہات کی ابتدا دورِ جدید میں غالباً انیسویں صدی کے وسط آخر میں ہوئی ہے۔ اس زمانے میں محض کسی مذہبی کتاب کی سند پر کسی ایسی شے کو موجود ماننا، جس کے وجود کا کوئی سائنٹفک ثبوت موجود نہ ہو، بڑے شرم کی بات ہو گئی تھی، اور ایسی شرمناک بات کا ارتکاب صرف وہی شخص کر سکتا تھا جو اس زمانے کے اہل علم کی نگاہوں میں تاریک خیال اور توہم پرست کٹھ ملا بننے کے لیے تیار ہوتا۔ ان حالات میں ان مسلمانوں نے، جو اپنی دنیوی ترقی کے لیے اپنے غیر مسلم آقاؤں اور پیشواؤں کی نگاہوں میں روشن خیال اور عقل پرست بننا ضروری سمجھتے تھے، ایک نئی نگاہ سے قرآن مجید کا مطالعہ شروع کیا، اور ہر اس مسئلہ کو، جسے ماننے کے لیے انیسویں صدی کے مادہ پرست بندگان حواس و پرستاران عادت آمادہ نہ ہو سکتے تھے، ایسے عجیب طریقوں سے تاویل کے خراد پر چڑھایا کہ وہ مسئلہ قرآن سے خارج بھی نہ ہو اور ان لوگوں کے افکار و تخیلات کے مطابق ڈھل بھی گیا جو قرآن کی روح اور اس کے اصول اولیہ سے بنیادی اختلاف رکھتے تھے۔ اس سلسلے میں جن قرآنی ارشادات کو توڑا مروڑا گیا انہی میں سے ایک وہ ارشادات ہیں جو ابلیس، شیاطین اور جنوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ کہا گیا کہ ان الفاظ سے کوئی ایسی مخلوق مراد نہیں ہے جو انسان سے الگ کوئی فوق الطبعی وجود رکھتی ہو، بلکہ ان سے کہیں تو انسان کی اپنی بہیمی قوتیں مراد ہیں، جنہیں شیاطین کہا گیا ہے، اور کہیں ان سے مراد وحشی اور جنگلی اور پہاڑی قومیں ہیں، اور کہیں ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو چھپ چھپ کر قرآن مجید سنا کرتے تھے۔ یہ تاویلات اتنی رکیک ہیں کہ ان کا ارتکاب صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو یا تو عربی زبان اور قرآن مجید کا تھوڑا سا علم بھی نہ رکھتا ہو، یا پھر اس کے دل میں خدا اور یوم آخر کے خوف سے زیادہ دنیا اور اہل دنیا کا خوف ہو۔ لیکن ۵۷ کے ہنگامے کے بعد جن حالات سے ہندوستان کے مسلمان گزرے ہیں ان میں یہ دونوں باتیں جمع ہو گئی تھیں، اس لیے ایسی اور اس سے بھی زیادہ رکیک تاویلات قرآن مجید میں کی گئیں، اور طرفہ ماجرا یہ ہے کہ ادعائے علم و حمایت اسلام کے ساتھ کی گئیں!

(سید ابوالاعلیٰ مودودی، ترجمان القرآن، جلد ۵، عدد ۴، ص ۵۶-۵۷، شوال ۱۳۵۳، فروری ۱۹۳۵ء)

رمضان المبارک میں مطالعہ کرنے کے لیے

ایمان افروز کتابیں

روزے کی حکمت

روزے کی روح

روزے کی اصل روح یہ ہے کہ آدمی پر اس حالت میں خدا کی خداوندی اور بندگی و غلامی کا احساس پوری طرح طاری ہو جائے اور وہ ایسا مطیع امر ہو کر یہ ساعتیں گزارے کہ ہر اس چیز سے رکے جس سے خدا نے روکا ہے اور ہر اس کام کی طرف دوڑے جس کا حکم خدا نے دیا ہے۔ روزے کی فرضیت کا اصل مقصد اسی کیفیت کو پیدا کرنا اور نشوونما دینا ہے نہ کہ محض کھانے پینے اور مباشرت سے روکنا۔

اگر کسی آدمی نے اس احمقانہ طریقے سے روزہ رکھا کہ جن جن چیزوں سے روزہ ٹوٹتا ہے ان سے تو پرہیز کرتا رہا اور باقی تمام ان افعال کا ارتکاب کیے چلا گیا جنھیں خدا نے حرام کیا ہے تو اس کے روزے کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے ایک مردہ لاش کہ اس میں اعضا تو سب کے سب موجود ہیں جن سے صورت انسانی بنتی ہے مگر جان نہیں ہے جس کی وجہ سے انسان انسان ہے۔ جس طرح اس بے جان لاش کو کوئی شخص انسان نہیں کہہ سکتا اسی طرح اس بے روح روزے کو بھی کوئی روزہ نہیں کہہ سکتا۔ یہی بات ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی کہ ”جس نے جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو خدا کو اس کی حاجت نہیں ہے کہ وہ اپنا کھانا اور پینا چھوڑ دے“ (بخاری)۔

جھوٹ بولنے کے ساتھ ”جھوٹ پر عمل کرنے“ کا جو ارشاد فرمایا گیا ہے یہ بڑا ہی معنی خیز ہے۔ دراصل یہ لفظ تمام نافرمانیوں کا جامع ہے۔ جو شخص خدا کو خدا کہتا ہے اور پھر اس کی نافرمانی کرتا ہے۔ وہ حقیقت میں خود اپنے اقرار کی تکذیب کرتا ہے۔ روزے کا اصل مقصد تو عمل سے اقرار کی تصدیق ہی کرنا تھا مگر جب وہ روزے کے دوران میں اس کی تکذیب کرتا رہا تو پھر روزے میں بھوک پیاس کے سوا اور کیا باقی رہ گیا؟ حالانکہ خدا کو اس کے خلوئے معدہ کی کوئی حاجت نہ تھی۔ اسی بات کو دوسرے انداز میں حضورؐ نے اس طرح بیان فرمایا ہے۔ ”کتنے ہی روزہ دار ایسے ہیں کہ روزے سے بھوک پیاس کے سوا ان کے پلے کچھ نہیں پڑتا اور کتنے ہی راتوں کو کھڑے رہنے والے ایسے ہیں جنھیں

اس قیام سے رت جگے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا" (دارمی)۔

ضبط نفس

انسان کو خدمت گار اور آلہ کار کی حیثیت سے جو بہترین ساخت کا حیوان (جسم) دیا گیا ہے اس کے بنیادی مطالبات ــــ تین ہیں، اور چونکہ وہ تمام حیوانات سے اونچی قسم کا حیوان ہے اس کے مطالبات بھی ان سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ وہ صرف زندہ رہنے کے لیے غذا ہی نہیں مانگتا بلکہ اچھی غذا مانگتا ہے، طرح طرح کی مزے دار غذائیں مانگتا ہے، غذائی مواد کی ترکیبوں کا مطالبہ کرتا ہے، اور اس کے اس مطالبے میں سے اتنی شاخیں نکلتی چلی جاتی ہیں کہ اسے پورا کرنے کے لیے ایک دنیا کی دنیا درکار ہوتی ہے۔ وہ صرف بقائے نوع کے لیے صنف مقابل سے اتصال ہی کا مطالبہ نہیں کرتا بلکہ اس مطالبہ میں ہزار نزاکتیں اور ہزار باریکیاں پیدا کرتا ہے، تنوع چاہتا ہے، حسن چاہتا ہے، آرائش کے بے شمار سامان چاہتا ہے، طرب انگیز سماں اور لذت انگیز ماحول چاہتا ہے، غرض اس سلسلے میں بھی اس کے مطالبات اتنی شاخیں نکالتے ہیں کہ کہیں جاکر ان کا سلسلہ رکتا ہی نہیں۔ اسی طرح اس کی آرام طلبی بھی عام حیوانات کے مثل صرف کھوئی ہوئی قوتوں کو بحال کرنے کی حد تک نہیں رہتی بلکہ وہ بھی بے شمار شاخیں نکالتی ہے جن کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا۔

اس طرح ان تین ابتدائی خواہشوں سے خواہشات کا ایک لامتناہی جال بن جاتا ہے جو انسان کی پوری زندگی کو اپنی لپیٹ میں لے لینا چاہتا ہے۔ پس دراصل انسان کے اس خادم، اس منہ زور حیوان کے پاس یہی تین ہتھیار وہ سب سے بڑے ہتھیار ہیں جن کی طاقت سے وہ انسان کا خادم بننے کے بجائے خود انسان کو اپنا خادم بنانے کی کوشش کرتا ہے، اور ہمیشہ زور لگاتا رہتا ہے کہ اس کے اور انسان کے تعلق کی نوعیت صحیح فطری نوعیت کے برعکس ہو جائے۔ یعنی بجائے اس کے کہ انسان اس پر سوار ہو، الٹا وہ انسان پر سوار ہو کر اسے اپنی خواہشات کے مطابق کھینچے کھینچے پھرے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ حیوان شر الدواب ــــ تمام حیوانات سے بدتر قسم کا حیوان ــــ بن کر رہ جاتا ہے۔

بھلا جس حیوان کو اپنی خواہشات پوری کرنے کے لیے انسان جیسا خادم مل جائے۔ اس کے شر کی بھی کوئی حد ہو سکتی ہے! جس بیل کی بھوک کو بحری بیڑا بنانے کی قابلیت میسر آجائے، زمین کی کس چراگاہ میں اتنا بل بوتا ہوتا ہے کہ اس کے معاشی مفاد کی لپیٹ میں آجانے سے بچ جائے؟ جس کتے کی حرص کو تیندوے ... جانور جیسا بنانے کی قوت مل جائے کس ہوئی اور ... بدن کا یہ ... کس کی ... کی گرفت میں آنے سے ... جس ... کو اپنے جنگل کے بھیڑیوں کی قومیت بنانے کا سلیقہ ہو اور جو پتھروں اور پرندوں ... تک سے ... زمین میں ...

اتنی گنجایش ہے کہ اس کے لیے کافی شکار فراہم کر سکے؟ جس بکرے کی شہوت' ناول' ڈراما' تصویر' موسیقی' لیکنگ اور حسن افزائی کے وسائل ایجاد کر سکتی ہو' جس میں بکریوں کی تربیت کے لیے کالج' کلب اور فلستان تک پیدا کرنے کی لیاقت ہو' اس کی داد عیش کے لیے کون حد و انتہا مقرر کرنے کا ذمہ لے سکتا ہے؟

ان پستیوں میں گرنے سے انسان کو بچانے کے لیے ضروری ہے کہ اس حیوان کے ساتھ اس کے تعلق کی جو فطری نوعیت ہے' اس کو عملاً قائم کیا جائے' اور مشق و تمرین کے ذریعے سوار کو اتنا چست کر دیا جائے کہ وہ اپنی سواری پر جم کر بیٹھے اور ارادے کی باگیں مضبوطی کے ساتھ تھامے' اور اس پر اتنا قابو یافتہ ہو کہ اس کی خواہشات کے پیچھے خود نہ چلے بلکہ اپنے ارادے کے مطابق اسے سیدھا سیدھا چلائے۔ جتنی چیزیں خدا نے اس دنیا میں ہمارے لیے مسخر کی ہیں ان میں سب سے زیادہ کار آمد چیز یہی حیوانی جسم ہے۔ لیکن بہرحال یہ ہماری اور ہمارے مقصد زندگی کی خدمت کے لیے ہے نہ کہ ہم اس کی اور اس کے مقصد زندگی کی خدمت کے لیے۔ اس کو ہمارے ارادے کا تابع ہونا چاہیے' نہ کہ ہمیں اس کی خواہشات کا تابع۔ اس کا یہ مرتبہ نہیں ہے کہ ایک فرمانروا کی طرح اپنی خواہشات ہم سے پوری کرائے بلکہ اس کا صحیح مرتبہ یہ ہے کہ ایک غلام کی طرح ہمارے سامنے اپنی خواہشات پیش کرے۔

روزے کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد انسان کو اس کے حیوانی جسم پر یہی اقتدار بخشنا ہے۔

حکیمانہ تدبیر

ایک ذرا سی حکیمانہ تدبیر نے روزے کو انفرادی عمل کے بجائے اجتماعی عمل بنا کر اس کے فوائد و منافع کو اتنا بڑھا دیا ہے کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ تدبیر بس اتنی سی ہے کہ روزے رکھنے کے لیے ایک خاص مہینہ مقرر کر دیا گیا۔

اس حکیمانہ تدبیر سے ایک خاص قسم نفسیاتی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک شخص انفرادی طور پر کسی ذہنی کیفیت کے تحت کوئی کام کر رہا ہو' اور اس کے گرد و پیش دوسرے لوگوں میں نہ وہ ذہنی کیفیت ہو اور نہ وہ اس کام میں اس کے شریک ہوں' تو وہ اپنے آپ کو اس ماحول میں بالکل اجنبی پائے گا۔ اس کی کیفیت ذہنی صرف اسی کی ذات تک محدود اور صرف اسی کی نفسی قوتوں پر منحصر رہے گی' اس کو نشوونما پانے کے لیے ماحول سے کوئی مدد نہ ملے گی' بلکہ ماحول کے مختلف اثرات اس کیفیت کو بڑھانے کے بجائے الٹا گھٹا دیں گے۔ لیکن اگر وہی کیفیت پورے ماحول پر طاری ہو' اگر تمام لوگ ایک ہی خیال اور ایک ہی ذہنیت کے ماتحت ایک ہی عمل کر رہے ہوں' تو معاملہ برعکس ہو گا۔ اس وقت ایک

ایسی اجتماعی فضا بن جائے گی جس میں پوری جماعت پر وہی ایک کیفیت چھائی ہوئی ہوگی اور ہر فرد کی اندرونی کیفیت ماحول کی خارجی اعانت سے غذا لے کر بے حد و حساب بڑھتی چلی جائے گی۔ ایک شخص اکیلا برہنہ ہو اور گرد و پیش سب لوگ کپڑے پہنے ہوئے ہوں تو وہ کس قدر شرمائے گا؟ بے حیائی کی کتنی بڑی مقدار اس کو برہنہ ہونے کے لیے درکار ہوگی اور پھر بھی ماحول کے اثرات سے اس کی شدید بے حیائی بھی کس قدر بار بار شکست کھائے گی؟ لیکن جہاں ایک حمام میں سب ننگے ہوں وہاں شرم بے چاری کو پھٹکنے کا موقع نہ ملے گا' اور ہر شخص کی بے شرمی دوسروں کی بے شرمی سے مدد پاکر افزوں در افزوں ہوتی چلی جائے گی۔

اجتماعی روزے کا مہینہ قرار دے کر رمضان سے شارع نے یہی کام لیا ہے۔ جس طرح آپ دیکھتے ہیں کہ ہر غلہ اپنا موسم آنے پر خوب پھلتا پھولتا ہے اور ہر طرف کھیتوں پر چھایا ہوا نظر آتا ہے' اسی طرح رمضان کا مہینہ گویا خیر و صلاح اور تقویٰ و طہارت کا موسم ہے جس میں برائیاں دبتی ہیں' نیکیاں پھلتی ہیں' پوری پوری آبادیوں پر خوف خدا اور حب خیر کی روح چھا جاتی ہے' اور ہر طرف پرہیزگاری کی کھیتی سرسبز نظر آنے لگتی ہے۔ اس زمانے میں گناہ کرتے ہوئے آدمی کو شرم آتی ہے۔ ہر شخص خود گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنے کسی دوسرے بھائی کو گناہ کرتے دیکھ کر اسے شرم دلاتا ہے۔ ہر ایک کے دل میں یہ خواہش ہوتی ہے کہ کچھ بھلائی کا کام کرے' کسی غریب کو کھانا کھلائے' کسی ننگے کو کپڑا پہنائے' کسی مصیبت زدہ کی مدد کرے' کہیں کوئی نیک کام کر رہا ہو تو اس میں حصہ لے' کہیں کوئی بدی ہو رہی ہو تو اسے روکے۔ اس وقت لوگوں کے دل نرم ہو جاتے ہیں' ظلم سے ہاتھ رک جاتے ہیں' برائی سے نفرت اور بھلائی سے رغبت پیدا ہو جاتی ہے' توبہ اور خشیت و انابت کی طرف طبیعتیں مائل ہوتی ہیں' نیک بہت نیک ہو جاتے ہیں اور بد کی بدی اگر نیکی میں تبدیل نہیں ہوتی تب بھی اس جلاب سے اس کا اچھا خاصا تنقیہ ضرور ہو جاتا ہے۔

اسی بنا پر نبی ﷺ نے فرمایا:

"جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین باندھ دیے جاتے ہیں"۔ اور ایک دوسری حدیث میں ہے: "جب رمضان کی پہلی تاریخ آتی ہے تو شیاطین اور سرکش جن باندھ دیے جاتے ہیں۔ دوزخ کی طرف جانے کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ ان میں سے کوئی دروازہ کھلا نہیں رہتا۔ اور جنت کی طرف جانے کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ ان میں سے کوئی دروازہ بند نہیں رہتا۔ اس وقت پکارنے والا پکارتا ہے "اے بھلائی کے طالب آگے بڑھ اور اے برائی کے خواہشمند ٹھہر جا"۔

(اسلامی عبادات پر تحقیقی نظر ص ۸۷ تا ۱۰۸)

کلام نبوی ؐ کی صحبت میں

خرم مراد

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
یہ دل جو ہیں' انھیں اسی طرح زنگ لگ جاتا ہے جس طرح لوہے کو زنگ لگتا ہے۔
عرض کیا گیا: یارسول اللہ ؐ پھر دلوں کی صفائی کا نسخہ کیا ہے؟
آپ ؐ نے فرمایا: کثرت سے موت کو یاد کرنا' اور قرآن کی تلاوت کرنا (البیھقی بحوالہ مشکوٰۃ)۔

دلوں کو زنگ کیسے لگتا ہے؟ گناہوں سے' اور دنیا کو مقصود بنا کر کام کرنے سے' دینی کام ہوں یا دنیوی اور بخیلی سے ظلم و زیادتی سے' دوسروں کے حق مارنے سے (معتد اثیم)۔
موت کو یاد کرنے سے' دنیا کی تمام لذتیں بے حقیقت ہو جاتی ہیں' وہ مقصود بننے کے لائق نہیں رہ جاتیں۔
قرآن کی تلاوت اللہ سے ہم کلام کرتی ہے' اور دل و نگاہ کو زندگی بعد موت پر جمانے کا سب سے موثر ذریعہ ہے۔
ایک روایت کے مطابق' آدمی کو صحیح رکھنے کے لیے یہی دو مرشد کافی ہیں: ایک بولنے والا مرشد یعنی قرآن۔ اور دوسرا خاموش مرشد یعنی موت۔ ہروقت یہ خیال نگار ہے کہ اللہ سے ملاقات کرنا ہے' اور قرآن پڑھتے وقت اللہ سے ہم کلام ہوتے ہیں --- یہ دو چیزیں صحیح راستے پر رکھنے کے لیے کافی ہیں۔

○

حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
مومن جب گناہ کرتا ہے' تو اس کے دل پر ایک سیاہ داغ پڑ جاتا ہے۔ پھر اگر وہ توبہ اور استغفار کر لیتا ہے' تو اس کا دل صاف کر دیا جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ گناہ پر گناہ کیے چلا جاتا ہے' تو سیاہ داغ پھیلتا چلا جاتا ہے' یہاں تک کہ سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ یہ ہے وہ زنگ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے: كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ، بحوالہ مشکوٰۃ)۔

گناہ سے کسی انسان کو مفر نہیں ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ہے "تم سب گناہ کرتے ہو" اور "تمام بنی آدم خطاکار ہیں"۔ گناہ درحقیقت دل کی بیماری ہے' اس لیے اس کا داغ سیدھا دل پر ہی پڑتا ہے۔
گناہ کرنے کی ترغیب دینے میں کامیابی کے بعد' شیطان فوراً دوسرا جال بچھاتا ہے' وہ اللہ کی مغفرت سے یا اپنے سے' مایوسی کا وسوسہ ڈالتا ہے۔ "اتنا بڑا گناہ کرکے میں کس لائق رہا' کس منہ سے اللہ سے معافی مانگوں۔ پھر آدمی نیکیاں بھی ترک کرنے لگتا ہے' اور گناہوں کی دلدل میں پھنستا چلا جاتا ہے۔ پھر دل بالکل سیاہ ہو جاتا ہے اور یہ سیاہی بندہ اور رب کے درمیان ایک دیوار بن جاتی ہے۔
اپنے گناہوں کے وبال سے بچنے والے وہ ہیں جو گناہ کے بعد فوراً اللہ کی طرف لپکتے ہیں' اس کے دامن رحمت سے چمٹ جاتے ہیں' ندامت کے پانی سے دل کو دھوتے ہیں' اور اسے صاف شفاف کر دیتے ہیں۔

O

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
روزہ اور قرآن بندے کی شفاعت کریں گے۔ روزہ کہے گا: اے رب' میں نے اسے دن بھر کھانے اور خواہشات سے روکے رکھا۔ پس اس کے حق میں میری سفارش قبول کرلے۔
اور' قرآن کہے گا: اے رب' میں نے اسے رات کو سونے سے روکے رکھا۔ پس اس کے حق میں میری سفارش قبول کرلے۔
چنانچہ (روزہ اور قرآن) دونوں کی سفارش قبول کی جائے گی (البیھقی' بحوالہ مشکوٰۃ)۔
اصل شفاعت کرنے والے اپنے نیک اعمال ہیں۔
اعمال میں' وہ اعمال جن کی خاطر آدمی دنیا کی جائز لذتیں بھی ترک کر دے۔ یا' دنیا کا محبوب مال' اللہ کی محبت میں' اس کے بندوں کی خاطر خرچ کرے۔
رمضان کا مہینہ' آخرت میں اللہ کے پاس سفارش کا انتظام کرنے کا بہترین وقت ہے۔ اس مہینے میں روزہ اور تلاوت قرآن اسی نیت سے کرنا چاہیے۔

O

حضرت معاذ بن جبلؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جو مسلمان پاک و صاف [باوضو] ہو اور خدا کو یاد کرتے ہوئے سو جائے' پھر رات کو اٹھ کر خدا سے خیر اور بھلائی مانگے' تو اللہ تعالیٰ اسے خیر اور بھلائی ضرور عطا فرماتا ہے (احمد' بحوالہ مشکوٰۃ)۔

○

حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں:
جب رمضان کا آخری عشرہ آتا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا تہمد مضبوط باندھتے (گویا کمر کس لیتے)' خود راتوں کو جاگتے' اور اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے (بخاری، مسلم)۔
ہر رات میں خیر و برکت کے خزانے برستے ہیں' لوگ پاؤں پھیلائے سوتے رہتے ہیں۔ مگر رمضان کی راتوں کا کیا کہنا! ان ہی میں وہ رات بھی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔
قرآن کی تلاوت سے دل کو چمکانے کے لیے' اور قیامت کے دن اپنی شفاعت کا سامان کرنے کے لیے رمضان سے زیادہ قیمتی وقت کوئی نہیں۔
پتا نہیں اگلا رمضان آئے گا یا نہیں' یہ ضائع نہ جائے: یہی سوچ درکار ہے۔

○

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ بیان کرتے ہیں:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنے میں اور ان کو مال دینے میں سب سے بڑھ کر سخی تھے۔ مگر رمضان میں تو آپ ؐ کی سخاوت کی کوئی حد نہ رہتی تھی۔ رمضان میں ہر رات جبرئیل علیہ السلام آپ ؐ سے ملاقات کرتے اور نبی کریم ؐ ان کے سامنے قرآن پڑھتے تھے۔ جب جبرئیل آپ ؐ سے ملاقات کرتے تو پھر تو آپ ؐ کی سخاوت اور فیاضی بارش برسانے والی ہوا سے بھی بڑھ جاتی (بخاری، مسلم)۔
نماز کے ساتھ انفاق کا' یعنی اللہ کے بندوں کے اوپر فیاضی سے خرچ کرنے کا' لازم و ملزوم کا تعلق قرآن کی بے شمار آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ خصوصاً قیام لیل کے ساتھ (آل عمران، الانفال، ذاریات)

رمضان' روزے کے ساتھ ساتھ' قیام لیل اور تلاوت قرآن کا موسم ہے۔ لازم ہے کہ اس ماہ بھی خدمت خلق کی عبادت اور فیاضی و سخاوت کی بارش ہو' جیسا نبی کریم ؐ کا عمل تھا۔

○

حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اعمال کے دفتر تین قسم کے ہیں:

ایک دفتر وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرتا۔ اس میں وہ اعمال ہیں جن میں اللہ کے ساتھ شرک کیا گیا ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ "بے شک اللہ اس کی مغفرت نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے"۔

دوسرا دفتر وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ چھوڑے گا نہیں۔ اس میں لوگوں کے آپس کے مظالم درج ہوں گے۔ (جن کا حساب کتاب ہو گا)۔ یہاں تک کہ وہ مظلوموں کو ظالموں سے بدلہ دلا دے۔

تیسرا دفتر وہ ہے جس کی اللہ کو پروا نہیں۔ اس میں وہ ظلم اور گناہ ہوں گے جو بندوں اور خدا کے درمیان ہوں گے' اور یہ اللہ کی مرضی پر ہے' چاہے اس پر عذاب دے اور چاہے تو درگذر فرمائے (البیھقی، بحوالہ مشکوۃ)۔

سب سے بڑھ کر فکر دو قسم کے گناہوں سے بچنے کی ہونا چاہیے۔ ایک' اللہ کے ساتھ شرک' جو ظلم عظیم ہے۔ دوسرے' کسی انسان کی جان' مال اور عزت پر دست درازی۔

بندوں پر ظلم کی مکافات سے نجات کی کوئی صورت نہیں' یہاں تک کہ قیامت کے دن انھیں بدلہ نہ دے دیا جائے۔ اور بدلہ دینے کے لیے ایک ہی کرنسی چلے گی' وہ ہیں اپنے نیک اعمال۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ چاہیے کہ انھیں معاف کرا لو' کوئی بدلہ دینا ہو تو یہیں ادا کر دو۔

سب سے زیادہ کثرت سے وہ گناہ ہوتے ہیں جو زبان سے سرزد ہوتے ہیں۔ "زبان کی فصل کے علاوہ اور کیا چیز لوگوں کو منہ کے بل جہنم میں گرائے گی"۔ جیسا حضور ؐ نے فرمایا۔

O

حضرت ابوہریرہ ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کہاں ہیں جو میرے جلال کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے؟ آج' جب میرے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں' میں انھیں اپنے سائے کے نیچے جگہ دوں گا (بخاری)۔

اللہ کے لیے محبت ایک ایسی نعمت ہے جس کی چھاؤں دنیا میں بھی لذت و نشاط اور تقویت و اطمینان کا باعث ہے' آخرت میں بھی وہ خدا کے سائے کے نیچے پہنچا دے گی۔ جس دن خدا کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہو گا جہاں پناہ اور امان ملے۔

مسند احمد اور ترمذی کی روایت کے مطابق اللہ کی خاطر محبت کرنے والے وہ ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ مجلسیں جماتے ہیں' ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں' ایک دوسرے سے ملاقات کے لیے آتے جاتے ہیں' ایک دوسرے کے ساتھ ناگواریوں کے باوجود' صبر کے ساتھ تعلق جوڑ کر رکھتے ہیں' ایک دوسرے کے خیر خواہ ہوتے ہیں --- ان کو بشارت ہے کہ ان کے لیے اللہ کی محبت یقینی ہے' ان کے لیے نور کے ایسے منبر ہیں کہ نبی' صدیق اور شہدا بھی ان پر رشک کریں (اخذ و ترتیب: خرم مراد)۔

روزہ اور قرآن

سید مناظر احسن گیلانی

آئیے روزے کے قرآنی مطالبے کو قرآن ہی کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کیجیے۔

تقوی اور روزہ

الصیام (یعنی روزوں) کا مطالبہ سورہ البقرہ کی آیات (۱۸۳ تا ۱۸۵) میں کیا گیا ہے۔

ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ روزہ آدمی میں "تقویٰ" کے جذبے کو ابھارتا اور بیدار کرتا ہے۔ اس کے بعد اطلاع دی گئی ہے کہ رمضان ہی کے مہینے میں چونکہ قرآن کے نزول کی ابتدا ہوئی اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ اس مہینے کو روزے کے ساتھ گزاریں۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ "تقویٰ" کا مطلب کیا ہے، روزے سے اس کا کیا تعلق ہے، اور تقویٰ کے جس جذبے کو روزہ ابھارتا اور جگاتا ہے انسانی فطرت کے اس جذبے سے قرآن کا کیا تعلق ہے؟

ایک مثال اپنے سامنے رکھ لیجیے روشنی سے وہی مستفید ہو سکتا ہے جس کی بینائی کی قوت آشوب سے پاک و صاف ہو۔ اس مثال کے پیش نظر غور کیجیے قرآن کیا ہے؟ آدمی کی آئینی زندگی کے قدرتی دستور العمل ہی کا نام قرآن ہے۔ اسی طرح تقویٰ جس کا ترجمہ عموماً پرہیزگاری وغیرہ الفاظ سے کیا جاتا ہے فطرت انسانی کے اس خاص رجحان کی تعبیر ہے جس نے آدمی کو آئین پسند بنا دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک جنون سے کسی کا دماغ ماؤف ہی نہ ہو، ہر شخص یہ محسوس کرتا ہے کہ اعمال و افعال میں ہم مطلق العنان بنا کر نہیں پیدا کیے گئے ہیں۔ یعنی جو جی میں آئے اسے کر گزریں، نہ کچھ پابندیاں ہوں نہ قیود۔ جس کا مال چاہیں اڑا لیں، جس کو چاہیں قتل کریں۔ جو بات ہم سے کہی جائے اسے ہم توڑ دیں۔ جائیں تو انھیں روکتے ہیں لیکن اندر کی آواز ہمیں ٹوکتی ہے اور حدود میں رہنے کا تقاضا کرتی ہے۔ کچھ کام ایسے ہیں جو کیے جانے چاہییں اور کچھ ایسے ہیں جو نہ کیے جائیں۔ یہ تمیز اعمال و افعال کی حق سے پوچھیے تو تقویٰ ہی کے فطری جذبے کا نتیجہ ہے۔

کون کون سے کام کرنے کے ہیں' اور کون سے نہ کرنے کے' تفصیلات میں تو اختلاف ممکن ہے' لیکن ان دو حصوں میں اعمال کی تقسیم' انسان کا فطری احساس ہے۔ کسی شخص کے متعلق جوں ہی پتا چلتا ہے کہ اعمال و افعال کی حد بندی کے تقاضوں سے آزاد ہو گیا ہے' اس کے پاگل ہو جانے کا اعلان کر دیا جاتا ہے۔ اگر تقویٰ کی واقعی حقیقت یہی ہے جو عرض کی گئی' تو پھر کتنی آسانی کے ساتھ یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ قرآن کو' یعنی آئینی زندگی کے قدرتی دستور العمل کو' سپرد کرتے ہوئے' تقویٰ کے احساس کو چونکانے والے اور جگانے والے عمل' یعنی روزے کی پابندی کا بھی ٹھیک اسی مہینے میں کیوں مکلف بنایا گیا' جس میں قرآن کے نزول کی ابتدا ہوئی۔ آئین و دستور کی پابندی کا مطالبہ باہر سے جن پر پیش ہو رہا تھا' ضرورت تھی کہ ان کے اندر بھی اس احساس اور جذبے کے اجاگر کرنے کا نظم کیا جائے جس پر آدمی کی آئینی زندگی کا دارومدار ہے۔

یہ ہے ''تقویٰ'' اور ''قرآن'' میں تعلق۔ گویا آئین کے ساتھ آئین پسندی کے جذبے کو بھی بیدار رکھنے کا بندوبست کیا گیا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ آدمی میں آئین پسندی یعنی تقویٰ کا جو جذبہ فطرتاً پایا جاتا ہے' اس کے ابھارنے اور اس کو ترو تازہ رکھنے میں روزہ سے کیوں مدد ملتی ہے؟

اس کی وجہ بھی ظاہر ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ چوبیس گھنٹوں میں بار بار جس چیز کی ضرورت آدمی کو ہوتی ہو' روز مرہ کی اسی ضرورت سے اچانک دست بردار ہو جانے پر آمادہ ہونے کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ آئینی حدود کے اندر اپنے آپ کو روکے رکھنے کی پوری قوت اس کے اندر پائی جاتی ہے۔ سال کے گیارہ مہینوں میں جو کھا رہا تھا' پی رہا تھا' جنسی تقاضوں کی تکمیل پر جس کے کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی' وہی بارھویں مہینے میں اس امتحان میں کامیاب ہو کر نکلتا ہے کہ ساری چیزیں' جن کا گیارہ مہینوں میں عادی تھا' ان کو چھوڑ بیٹھا۔ آئینی جذبے کی مشق کی اس سے زیادہ بہتر صورت اور کیا ہو سکتی تھی۔

اب پڑھیے روزہ والی آیتوں کو۔ انصاف سے بتایا جائے کہ خود قرآن نے روزہ کے قانون کو نافذ کرتے ہوئے جو کچھ اس کے متعلق بیان کیا ہے' دل آویزی اور دل نشینی کی جتنی غیر معمولی چاشنی اس میں پائی جاتی ہے' کیا عقل کے ناخن تراشوں کی تاویلوں میں اس کے بعد کچھ بھی جان رہ جاتی ہے۔ اور یہی میں کہنا چاہتا ہوں کہ روزہ اور اس کے اسرار و حکم اور وجوہ و مصالح کے سمجھنے کے لیے بجائے قرآن کے غیر قرآنی راہوں سے مدد لینے کی قطعاً حاجت نہیں۔

دوسرے مذاہب سے تعلق

روزے کے مطالبے کو مسلمانوں پر عائد کرتے ہوئے گذشتہ ادیان و مذاہب کو ماننے والی امتوں

کے ساتھ اپنے تاریخی رشتے کا اعادہ کما کتب علی الذین من قبلکم کے الفاظ میں فرمایا گیا ہے۔

اس سے مسلمانوں میں یہ نفسیاتی اثر پیدا ہوتا ہے کہ اس حکم الٰہی کا بار اٹھانے میں وہ تنہا نہیں ہیں، بلکہ جو انسانی نسلیں ان سے پہلے گزری ہیں، وہ بھی اس میں ان کی شریک ہیں۔ اسی سے خود بخود یہ بھی سمجھ میں آجاتا ہے کہ روزے کا مطالبہ کوئی ایسا مطالبہ ہے بھی نہیں جسے بار سمجھا جائے۔ آخر جس کام کو تاریخ کے نامعلوم زمانے سے انسانیت برداشت کرتی چلی آئی ہے، اس کو بار اور بوجھ قرار دینے کے معنی ہی کیا ہوسکتے ہیں۔ گویا برداشت کے لحاظ سے یہ تجربہ کیا ہوا، جانچا اور پرکھا ہوا عمل ہے۔ سمجھا جائے تو یہ اشارہ بھی قرآن کے الفاظ سے نہیں مل سکتا ہے۔

اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح حیوانی ضرورتوں کے لیے حرارت، روشنی، ہوا، پانی وغیرہ جیسی قدرتی امدادوں کا آدمی ہر زمانے میں ہر جگہ محتاج رہا ہے، یہی نوعیت قدرت کے ان قوانین کی بھی ہے جن کی پابندی کے بغیر انسان، انسان نہیں رہ سکتا۔ یہ جو فرمایا گیا ہے کہ "اگلوں پر بھی روزہ واجب کیا گیا تھا"، تو اس سے یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ روزہ بھی قدرت کے ان ہی قوانین میں شریک ہے جن سے نہ اگلے بے نیاز ہوکر رہ سکتے تھے اور نہ پچھلے اس سے مستغنی ہوسکتے ہیں۔

یورپ و امریکا کے علمی حلقوں میں آج کل مذاہب و ادیان کی تنقید و تحقیق کے سلسلے میں تقابلی مطالعے کو سب سے زیادہ عالمانہ طریقہ سمجھا جاتا ہے۔ پہلے تو مذہبی پیشہ وروں یعنی پادریوں نے اس کام کو شروع کیا تھا۔ بعد کو ان ہی پادریوں کی اولاد دوسرے علمی القاب اور خطاب کے ساتھ اسی کام کو ریسرچ اور تحقیق کے نام سے انجام دینے لگی۔ باور یہی کرایا جاتا ہے کہ تنقید و تحقیق کی ان راہوں میں کسی خاص مذہب یا دین کی پاسداری خیانت اور علمی بددیانتی سمجھی جائے گی۔ لیکن سارے پاپڑ دراصل کسی خاص مذہب کی تائید و حمایت ہی کے لیے بیلے جاتے ہیں۔

اس تقابلی مطالعے میں مختلف ادیان و مذاہب اور ان کے پیش کرنے والے بزرگوں کی تحقیر و تنقیص سے دامن ضرور آلودہ ہوتا ہے۔ تحقیر و تنقیص کے ان قصوں سے دلوں کو جو دکھ پہنچ جاتا ہے، یا پہنچایا جاتا ہے، دل آزاری کی جو آندھیاں چل پڑتی ہیں، ان کا رخ شاید روکنا ناممکن ہوتا ہے۔

اس بات میں غیروں سے نہ مجھے شکایت ہے، اور نہ شکایت کا حق حاصل ہے۔ مگر مسلمانوں میں بھی دیکھ رہا ہوں کہ دعوت و تبلیغ کے قرآنی منہج خاص سے لاپروا ہوکر، کچھ لوگ کچھ دنوں سے ان ہی باتوں کی حوصلہ افزائیوں میں مشغول ہیں جن سے تقابلی مطالعے اور اس طریقے کے سارے مفاسد اور زہریلے فتنوں کی نشوونما میں مدد مل رہی ہے۔ دیکھتا ہوں اور دل ہی دل میں گھٹتا ہوں، کڑھتا ہوں۔

قرآن سکھاتا ہے کہ بنی آدم کی جن جن نسلوں کو، مسلمانوں سے پہلے، اپنے اپنے وقت میں انسانی

زندگی کے قدرتی دستور العمل کا مخاطب و مکلف خالق کائنات نے بنایا تھا' ان سب سے مسلمانوں کا تاریخی رشتہ تکذیب و تغلیط اور تحقیر و توہین کا نہیں' قطعاً نہیں' بلکہ تصدیق و توثیق کا ہے۔ ایک ہی دیوان عشق کے ہم سبق ہم سب کے سب ہیں' ایک ہی لاہوتی کالج سب کی تعلیم گاہ ہے' حقیقی معلم اور واقعی استاد بھی سب کا ایک ہی ہے' اور بجز معمولی رد و بدل کے اصولاً تعلیمی نصاب بھی اگلوں اور پچھلوں کا اول سے آخر تک ایک ہی رہا ہے۔

قرآن نے اپنے ماننے والوں کی ذہنی تربیت ہی کچھ ایسے ڈھنگ سے کی ہے کہ ہمارے پیشوا تمھارے پیشوا' ہمارے دینی بزرگ تمھارے دینی بزرگ --- یہ ہم تم کا سوال ہی' مذہب اور دین کے دائرے میں' ان کی نگاہوں کے سامنے سے ہٹ گیا ہے۔ اسی تربیت کا نتیجہ ہے کہ مسلمان دنیا کے مذہبی پیشواؤں اور بزرگوں کا جب ذکر کرتے ہیں تو سننے والا یہ تمیز نہیں کر سکتا کہ خود اپنے گھر کے بزرگوں کا ذکر کر رہے ہیں یا ان لوگوں کا جن کو یہودی اپنا پیغمبر یا عیسائی اپنے دین کی سب سے بڑی ہستی تسلیم کرتے ہیں۔ دراصل گھر اور باہر کے اس فرق کو مسلمانوں کا دینی احساس پہچانتا ہی نہیں ہے۔

مسلمانوں پر روزے کو عائد کرتے ہوئے' بجائے یہ فرمانے کے کہ مسلمانوں کے دین کا یہ کوئی امتیازی سرمایہ ہے' قرآن نے صاف لفظوں میں یہ اطلاع دی ہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے' بلکہ پہلے بھی لوگ اسی کی پابندی کرتے چلے آئے ہیں۔

قرآن اگر یہ کہتا ہے کہ بچھڑے ہوؤں کو ملانا' اور اپنے بزرگوں کی راہ سے جو ہٹ گئے ہیں اسی راہ پر ان کو واپس لانا' یہ بھی اس کا اساسی نصب العین ہے' تو روزہ کے بارے میں اس بیان کی تعبیر اور کیا کی جائے۔ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ دین کی دعوت میں لوگ دل آزاری کی راہوں کو چھوڑ کر قرآنی راستے پر اگر چلتے' تو جن قوموں کی اسلام سے محرومی کی مدت' درازسے دراز تر ہوتی چلی جا رہی ہے' بہت مختصر ہو جاتی۔

ضرورت ہے کہ تصدق و توثیق کے رشتے کے ساتھ ساتھ لوگوں کو سمجھایا جائے کہ گذشتہ ادیان و مذاہب کے جن پہلوؤں کی تصحیح یا تکمیل کا کام قرآن نے انجام دیا ہے' اس کا صحیح مطلب کیا ہے۔ اسی موقع پر دیکھیے۔ رمضان ہی کے مہینے کو روزے کے لیے متعین کرتے ہوئے' نزول قرآن کے ذکر میں' یہ فرما کر کہ نسل انسانی کی ہدایت کا سرچشمہ یہ کتاب ہے' آگے اسی کی خصوصیت کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا گیا ہے: بینات من الھدیٰ و الفرقان ، ہدایت کی کھلی کھلی باتوں پر (قرآن مشتمل ہے)' اور الفرقان بھی ہے۔ مطلب یہی ہے کہ مذاہب و ادیان کے بینات' یعنی واضح اور کھلے کھلے حقائق جنھیں عام طور پر لوگ جانتے ہیں' ان کے سوا قرآن الفرقان بھی ہے۔ یعنی بیرونی آمیزشوں اور خارجی

آلائشوں کو تمام مذاہب و ادیان سے جدا کرنا' سب کو پاک و صاف کرنا' یہ بھی قرآن ہی کا ایک پہلو ہے۔ اس لیے رمضان یا نزول قرآن کا مہینہ ان لوگوں کا بھی دینی مہینہ ہے جن کے پاس پہلے سے ہدایت کے بینات نہ تھے' اور جن کے پاس کسی نہ کسی شکل میں ہدایت کے یہ بینات باقی رہ گئے تھے' ان کے لیے بھی رمضان اس لیے دینی مہینہ بن گیا کہ قرآن کے فرقانی پہلو سے استفادے کا موقعہ ان کو بھی ملا۔ یوں رمضان ساری انسانی نسلوں' خاندانوں اور قبیلوں کا دینی مہینہ بن جاتا ہے۔

بہرحال مجھے کہنا یہی ہے کہ قرآن جیسی خود مکتفی کتاب کی اشاعت و تبلیغ کے لیے' یا اس کی تعلیمات کی توجیہہ و تاویل کے لیے' غیر قرآنی ذرائع کی دست نگری کا نتیجہ یہ ہے کہ قرآن آگے تو کیا بڑھتا' خطرہ پیدا ہو گیا ہے کہ کہیں (لاقعلہ اللہ) اس کا دائرہ گھٹ نہ جائے۔ اگرچہ یہ خطرہ بھی صرف دلوں کے ایک وسواسی خطرے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔

روزہ میں یسر

روزے کے متعلق یہ طریقہ تعبیر اختیار کیا گیا ہے کہ پہلے تو ایام معدودات، یعنی چند گنے چنے دن' روزہ فرض ہوا' اور بعد کو پھر رمضان کا مہینہ مقرر کر دیا گیا۔ یہ دونوں حصے ایک دوسرے سے جدا سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ دونوں دو مستقل مطالبے نہیں ہیں۔ رمضان ہی کے مہینے کو روزے کے حکم کی تعمیل کا مہینہ مقرر کرنا مقصود تھا' لیکن اسی مقصد کو پہلے عام الفاظ میں ادا کیا گیا--- یعنی بڑی مدت روزے کے لیے نہیں بلکہ چند گنے چنے دن کی حد تک اس عمل میں مسلمانوں کو مشغول ہونا پڑے گا--- پھر ان ہی گنے چنے دنوں کی تفصیل یہ کی گئی کہ وہ رمضان کا مہینہ ہے۔ یہ یسر کی وضاحت ہے۔

روزہ کی یہ حقیقت قابل غور ہے کہ سب سے زیادہ آدمی جن چیزوں کا عادی ہوتا ہے' روزے کی وجہ سے اپنی اسی دوامی عادت سے دست برداری کی مشق پیدا ہوتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ دین ہو یا دنیا' زندگی کے تمام شعبوں میں اس مشق سے یہ مدد ملتی ہے کہ عادت کے خلاف کسی قسم کے مشکلات سے دوچار ہونے کا موقعہ سامنے آجائے تو روزے کی مشق ان مشکلات کو قدرتاً روزہ رکھنے والوں کے لیے آسان بنا دیتی ہے۔ اسی لیے یہ فرماتے ہوئے کہ جن رعایتوں اور جن شروط کے ساتھ روزہ کا مطالبہ واجب کیا گیا ہے ان ہی کو دیکھ کر تم یہ سمجھ سکتے ہو کہ مشقت اور دشواری میں مبتلا کرنے کا ارادہ نہیں کیا گیا ہے' بلکہ اس کے مقابلے میں' روزے کی مشق سے زندگی کے عام عادی مشکلات میں مدد ملتی ہے۔ خصوصاً قمری مہینے کی وجہ سے' ہر موسم اور سال کے ہر حال میں روزہ رکھنے کی عادت سہولت کے دائرے میں جس وسعت کو پیدا کرتی ہے' اور مشقت کی برداشت کی قوت کو بڑھاتی ہے' اس کو

دیکھتے ہوئے یہی کہا جا سکتا ہے کہ روزے سے آسانی پیدا کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے۔

شکر اور وفاقی تعلق

انسانیت، ہدایت کے جس نظام کی پابندی کر کے اپنے صحیح انجام تک پہنچ سکتی ہے، یقیناً اس کا علم ساری انسانی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ہے۔ روزہ اس غیر معمولی، انمول نعمت سے سرفراز فرمانے والے کی بڑائی کے اقرار کی بہترین عملی شکل ہے، کہ آدمی سب سے زیادہ جن چیزوں کا رسیا اور عادی ہے، ہر ایک کو ٹھکرا کر اس بڑے کے حکم کی تعمیل کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے۔ "تاکہ بڑائی کرو اللہ کی اس نعمت کے مقابلہ میں کہ تمھاری رہنمائی اس نے کی"۔

سچ تو یہ ہے کہ زندگی بھر جو ہمیں کھلاتا پلاتا رہتا ہے اور طرح طرح کی نعمتوں سے نوازتا ہے، آدمی کا جی چاہتا ہے کہ اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرے۔ کوئی شک نہیں کہ شکر ادا کرنے کی صورتیں یہ بھی ہیں کہ زبان سے شکر کے الفاظ ادا ہوتے ہوں، یا دل میں تشکر و امتنان کے جذبات پیدا ہوں۔ لیکن کھلانے پلانے والے کے شکر کی یہ شکل --- جتنی دیر کے لیے کھانا چھوڑ دینے کا حکم کھلانے والے پلانے والے نے دیا اتنی دیر کے لیے ہم اس کو چھوڑ بیٹھیں --- حق تو یہ ہے کہ زبان اور دل والے شکریوں سے شکر کا یہ عملی قالب، خود شکر کرنے والوں ہی کے لیے زیادہ اطمینان بخش ہے۔ اس کی طرف آخر میں "تاکہ تم شکر ادا کرو" کے الفاظ سے اشارہ فرمایا گیا تھا۔

"جب تجھ سے پوچھیں میرے بندے میرے متعلق، تو میں قریب ہوں، جواب دیتا ہوں پکارنے والے کی پکار کا"۔ اس آیت سے پہلے بھی روزے کا ذکر ہے، اور اس کے بعد بھی۔ بیچ میں اس آیت کا ہونا یقیناً بلا وجہ نہیں ہو سکتا۔

بظاہر یہی خیال گزرتا ہے کہ حق تعالیٰ کے حکم کے مطابق جب بندہ پسندیدہ عادتوں سے دستبردار ہو کر اپنے پیدا کرنے والے کی خوشی اور اسی کی مرضی کے مطابق اپنی خوشی اور اپنی مرضی کو بنا دیتا ہے تو روزہ کے زمانہ میں روزہ دار کا خالق کائنات کے ساتھ اس وفاقی تعلق کو، قرآن بتانا چاہتا ہے، معمولی حال نہ سمجھنا۔ منطقی طور پر یوں ترتیب قائم کی جائے کہ ساری کائنات حق تعالیٰ کی مرضی مبارک کے مطابق چل رہی ہے۔ انسان جب اسی عالمگیر مرضی کے مطابق اپنے آپ کو کر لیتا ہے تو اس خاص حال میں عالم کا ہر قانون انسان کی مرضی کی مطابقت کے لیے تیار ہو جاتا ہے، یعنی اس کی ہر دعا کو حق تعالیٰ قبول فرماتے ہیں۔ آپ ہی بتائیے اس کے سوا دوسری توقع ہی کیا کی جا سکتی ہے؟ (اخذ و تلخیص خرم مراد)

یومِ عید

عبد الماجد دریابادیؒ

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر اللہ اکبر، وللہ الحمد۔

یہ آج ہے کیا، صبح ہی صبح تکبیر کی صدائیں، دھیمے سروں میں، میٹھے بولوں میں، ہر طرف سے کانوں میں چلی آ رہی ہیں اور مسلمان ہیں کہ ٹولیوں کی ٹولیاں بنائے، نہائے دھوئے، بنے سنورے، عطر لگائے، بوڑھے اور جوان، بچے اور بچیاں، امیر و غریب سب ادھر سے ادھر رواں ہیں؟--- ہے یہ کہ آج عید ہے۔ سال کے دو بڑے اسلامی تہواروں میں سے پہلا تہوار، اور مسلمان اسی کا جشن منانے نکلا ہے۔ لیکن یہ کیسا جشن اور تہوار ہے، دنیا جہان کے جشنوں اور میلوں سے نرالا کہ ناچ نہ مجرا، راگ نہ باجا، بس زبانوں پر حمد کے زمزمے اور ہونٹوں پر توحید کے نغمے! جی ہاں، اللہ کے ان بندوں کی شریعت کے مزاج ہی میں بانکپن ہی کچھ ایسا ہے!

دارد آں آفتِ جاں حسن و جمال عجبے
چشمِ مست عجبے وابرو و خال عجبے

(اس آفتِ جان کے حسن و جمال کی بھی عجیب شان ہے اس کی مست نگاہوں کی بھی، اس کے خال وابرو کی بھی)۔

ابھی کل شام تک تو رمضان ہی تھا۔ ہر گیارہ مہینے کے بعد ایک پورا مہینہ بھوک اور پیاس کا، صبر و ضبط کا۔ اب اس میں چاہے مئی ہو یا جون، نور کے تڑکے سے لے کر شام کے جھٹ پٹے تک ۱۵، ۱۵ گھنٹے تک پیاس کو روکے رہیے، چاہے ہونٹوں پر پپڑیاں اور زبان میں کانٹے پڑ جائیں پانی کا ایک قطرہ بھی حلق کے اندر نہ جانے دیجیے۔ اور پھر رات جب آ جائے تو بجائے خوابِ غفلت میں پڑ جانے کے نمازیں اور زیادہ پڑھیے۔ تو ابھی کل تک تو مہینہ ہی عبادت و ریاضت کا تھا، رات کو مسجدیں تراویح سے گونجتی رہتی تھیں اور آج صبح جو ہوئی تو اس ماہِ مبارک کے حسنِ خاتمہ کی خوشی میں سڑکیں اور گلیاں تک حمد کی صداؤں سے گونجنے لگیں۔ عبادت تو خیر عبادت ہوتی ہے، یہاں جشنِ مسرت بھی سراسر عبادت چشم مستے عجبے زلف دراز عجبے اور ان تکبیروں میں جاہ و جلال کی گرمی نہیں، سراسر شانِ جمال کی نرمی! زبانوں پر عبدیت کے

زمزمے اور ہونٹوں پر عبودیت کے نغمے' اس سج دھج سے مسلمان چلا ہے نماز پڑھنے۔ اس حال میں کہ کچھ نہ کچھ تحفہ اپنے مال میں سے بھی دوسروں کی نذر کر چکا ہے۔ اور یہ دیکھ چکا ہے کہ اس کے علم میں اس کی بساط بھر اڑوس پڑوس بلکہ محلے میں کوئی نادار آج بھوکا نہ رہنے پائے گا۔ بستی کے باہر سب مسلمان ایک جگہ نماز پڑھیں گے۔ بڑے اور چھوٹے' خادم اور مخدوم' زردار اور نادار' محمود و ایاز' راجا اور پرجا' سب صف بہ صف کھڑے ہوں گے۔ اور ایک اللہ اکبر کی آواز پر ایک ساتھ اٹھیں گے' ایک ساتھ بیٹھیں گے' ایک ساتھ جھکیں گے' ایک ساتھ کھڑے ہوں گے' ایک ساتھ ہاتھ باندھیں گے' ایک ساتھ سلام پھیریں گے اور دو رکعت نماز کے بعد امام کی زبان سے خطبہ سنیں گے۔ کچھ دعائیں' کچھ احکام' کچھ کام کی باتیں' کچھ روزہ داروں کے لیے بشارتیں۔ اس کے بعد آپس میں گلے ملیں گے اور خوش خوش گھر واپس ہوں گے اور شیرخرما اور میٹھی سویاں پکیں گے' عزیزوں دوستوں اور گھر والوں کو پلائیں گے اور اسی میں شام ہو جائے گی۔

عید گاہ کے اندر روحانی نعمتوں کا جو خزانہ لٹایا جا رہا ہے اسے چھوڑ کر ذرا باہر آیئے۔ یہ باہر کی دلآویزیاں اندر کی دلکشی سے کچھ کم نہیں ہوتیں' بہ قول شخصے

کم نہیں کچھ دل کشی میں ناز سے رنگ نیاز

دکانیں ہر طرح کی لگی ہوئی' کہنا چاہیے کہ پورا بازار سجا ہوا' اور کھانے پینے کی تو ہمہ نعمت موسم و فصل کی رعایت سے موجود۔ ادھر چائے کے گرما گرم ساوار ہیں کہ کس گرم جوشی سے آپ کے استقبال کو بڑھ رہے ہیں۔ ادھر برف کی قلفیاں ہیں' کھیر کی ہانڈیاں ہیں کہ دل و دماغ تک اپنی ٹھنڈک پہنچائے دیتی ہیں۔ ادھر حلوائی صاحب تھال پر تھال وہ لذیذ و خوش رنگ مٹھائیوں کے جمائے ہوئے ہیں کہ ایک بار نظر ان پر پڑ جائے تو شاید وہیں جم کر رہ جائے' اور بے شیرو شکر بنے واپس نہ آئے۔ ادھر کبابیوں کے ہاں سے خوشبوئیں وہ بلا کی آ رہی ہیں اور سرخ سرخ سیخیں وہ منظر دکھلا رہی ہیں کہ صبر کرنے والوں کے دل خود کباب ہوئے جا رہے ہیں۔ پھر کھلونے والے اور پھل والے ایک سے بڑھ کر ایک' بچوں اور بڑوں کے دل لبھانے والے --- دین' دنیا کے ساتھ۔ جنت کے سودے کے ساتھ ساتھ' نفع عاجل کا بھی دم چھلا۔

رمضان کی برکتوں کا کیا کہنا' اور پھر آخر عشرہ کی راتوں کی قدر و قیمت کا تو کوئی حساب ہی نہیں۔ لیکن انھیں رحمتوں کی وسعت بیکراں ملاحظہ ہو کہ عید کی رات کا شمار' اجر و برکت کے لحاظ سے انھیں رمضان کی راتوں میں ہے۔ جو اس رات کو جاگا اس نے گویا اخیر رمضان ہی کی ایک اور رات کو پایا۔ اور پھر یہ ارشاد بھی ایک سچے ؐ کی زبان سے ہو چکا ہے کہ عید کو تڑکے ہی سے فرشتے یہ صدا دینے لگتے

ہیں کہ لوگو نماز کو چلو' اور عبادت کو آمادہ ہو۔ فرشتوں کی آواز بھلا ہمارے یہ مادی کان کیا سن سکتے ہیں، لیکن دل کے کان، ہو نہ ہو' اس آواز غیبی سے کچھ ربط ضرور رکھتے ہیں۔ جب ہی تو مشاہدہ ہے کہ نمازیوں کے پرے کے پرے عید گاہ اور مسجدوں کو روانہ ہو رہے ہیں۔ جنھیں سال بھر بھی دو ٹکریں زمین پر لگانا نصیب نہیں ہوتیں' وہ آج خوشی خوشی دوگانہ پڑھنے آرہے ہیں اور بڑے بڑے نمبری بے غسلے 'آج بغیر کسی کے لھیلے اور ڈھکیلے' خود ہی نہانے دھونے میں لگے ہوئے ہیں۔

عید کا صدقہ کس مقدار میں ہو' یہ تفصیل کسی فقہ کی کتاب میں دیکھ لیجئے یا کسی پڑھے لکھے سے پوچھ لیجئے۔ بہرحال تاکید اس کی آئی ہے کہ اسے نماز سے قبل ہی ادا کر دیا جائے۔ نہ ادا ہو تو خود رمضان کے روزوں کی مقبولیت ہی کے ادھر میں پڑے رہ جانے کا خطرہ ہے--- خالق تنہا اپنی عبادت سے راضی ہی کب ہوتا ہے' جب تک مخلوق کے بھی حق ادا نہ کر لیے جائیں۔

جن لوگوں کو رمضان کے روزے رکھنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے' خصوصاً چلچلاتی ہوئی دھوپ کے موسم میں اور پہاڑ سے لمبے دن میں' ان کے دلوں سے کوئی قدر روزانہ افطار کی پوچھے۔ کس بے انداز مسرت و راحت کا وقت شام کا ہوتا ہے' اور بندہ مومن مہینے کے تیسوں دن اس مسرت سے شاد کام ہوتا رہتا ہے۔ عید کا دن کہنا چاہیے کہ سارے مہینے کی مسرتوں کا جامع اور لب لباب ہوتا ہے۔ جو بدنصیب روزہ کی سعادت و لذت سے محروم رہے' وہ آج کی مسرت بے انداز کا اندازہ ہی نہیں کر سکتے --- اردو محاورے میں روز عید' یوم جشن کے مترادف ہے۔ جس طرح شب برات شب جشن کے۔ جب عیش و عشرت کی مثال دینا ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ دن عید ہے اور رات شب برات۔ یہ تو خیر نری شاعری ہے۔ شریعت نے ذمہ داری اور مسئولیت کا ضمیمہ بشر کے چھوٹے بڑے ہر عمل اختیاری کے ساتھ لگا رکھا ہے' اور اس عارضی' فانی و بے ثبات دنیا میں کوئی ایک عمل بھی خالص عیش و عشرت کا رہنے ہی نہیں دیا ہے۔ یوم عید بھی اس قانون سے مستثنیٰ نہیں۔ آج کا دن احتساب کا دن ہے۔ مہینہ بھر کے حساب کتاب کا دن ہے۔ خوش نصیب ہے وہ جس کا کھاتا آج نیکیوں اور طاعتوں سے لبریز نظر آئے۔

طالبات کی اقامتی اکیڈمیز کے لیے سٹاف کی فوری ضرورت

تحریک اسلامی کے زیر اہتمام آزاد کشمیر میں چلنے والی اقامتی اکیڈمیز کے لیے مندرجہ ذیل سٹاف کی فوری ضرورت ہے

۱۔ بی ایس سی / بی اے ' ایف ایس سی / ایف اے تجربہ کار خواتین جو سیکنڈری کلاسز کو سائنس اور آرٹس کے مضامین پڑھا سکیں۔

۲۔ ووکیشنل سپروائزر ٹریڈ ٹیچرز' گورنمنٹ ووکیشنل ٹیچرز ٹریننگ سنٹر سے فارغ التحصیل ' ووکیشنل ٹیچرز' گورنمنٹ ٹیکنیکل بورڈ / گورنمنٹ سے منظور شدہ ادارے سے ڈپلومہ ہولڈر' کوکنگ ٹیچرز (میٹرکولیٹ) کوکنگ کورس اور کوکنگ میں مہارت کی حامل خواتین

۳۔ ایڈمنسٹریشن 'سیکورٹی' اکاؤنٹ اور کوکنگ کے لیے سابق فوجی ' جے۔سی۔او ' این۔سی۔او اور او۔آر جو اپنے کام میں ماہر ہوں اور اچھی شہرت کے حامل ہوں۔

۴۔ شرائط : شق ۱ اور ۲ کے لیے رکن جماعت / ناظمہ / رکن اسلامی جمعیت طالبات ' جامعۃ المحصنات منصورہ لاہور سے فارغ التحصیل ہونا ضروری ہے۔ تجربہ کو ترجیح دی جائے گی۔ شق ۳ کے لیے رکن جماعت کو ترجیح حاصل رہے گی۔

۵۔ سہولیات : تنخواہ حسب اہلیت و تجربہ۔ رہائش اور خوراک مفت۔ زنانہ سٹاف کے لیے اکیڈمی کے اندر ہاسٹل میں رہائش ' مردانہ سٹاف کے لیے بھی تمام سہولیات الگ سے دستیاب۔ عمدہ ماحول بہترین انتظامات۔

درخواستیں : تعلیمی 'ٹیکنیکی' تجرباتی اور سروس اسناد کی فوٹو سٹیٹ نقول اور ایک ذاتی پتہ درج (Self-Addressed) لفافے کے ہمراہ پتہ ذیل پر ۱۰ فروری ۱۹۹۵ تک پہنچ جائیں۔

میجر (ر) محمد حیات خان۔ الاکرام بلڈنگ مریڑ چوک ' مری روڈ ' راولپنڈی

رب کے در پر

مسلم سجاد

اے ہمارے رب!

تمام تعریفیں تیرے لیے ہیں' تو نے ہم کو اپنی رضا اور جنت کے اس راستے کی طرف ہدایت دی' اگر تو ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہمارے بس میں نہ تھا کہ اس راہ کو پاسکتے۔

درود و سلام ہوں تیرے محبوب و برگزیدہ بندے' محمد فداہ ابی وامی پر' جنھوں نے تکلیفیں اٹھا اٹھا کر کتاب ہدایت ہم تک پہنچائی' اور اپنی زندگی سے ہمارے لیے اسوہ حسنہ پیش کیا۔

اے ہمارے رب! ہم نے ایک پکارنے والے کو پکارتے سنا کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر' پس ہم ایمان لے آئے۔ اے ہمارے رب، پس تو ہمارے گناہوں کو معاف فرما' ہماری برائیوں کو ہم سے دور فرما' اور آخری وقت میں ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ رکھ۔

اے ہمارے رب! اگر ہم سے خطا ہو جائے' اگر ہم بھول کا شکار ہو جائیں تو ہم کو اس پر نہ پکڑ۔ ہم پر ذمہ داریوں کے وہ بوجھ نہ ڈال جو ہم سے پہلے لوگوں پر تو نے ڈالے تھے۔ ہم پر ایسی آزمایش بھی نہ ڈال جو ہمارے بس میں نہ ہوں۔ ہم کو معاف فرما' ہماری مغفرت فرما' ہم پر رحم کر۔ تو ہی ہمارا مولا ہے۔ اپنے دین کے دشمنوں کے مقابلے پر ہمیں اپنی نصرت سے بھی سرفراز فرما۔

اے ہمارے رب! ہم تیرے دین کے سپاہی ہیں۔ آج کے زمانے میں تیرا دین قائم کرنے کے لیے جہاد کر رہے ہیں۔۔۔ بلاشبہ ہم میں خامیاں ہیں' کمزوریاں ہیں' لیکن' اے رب، ہماری نظریں تیری رضا پر ہیں۔ ہماری ٹوٹی پھوٹی بری بھلی کوششوں کو قبول کرلے۔

اے ہمارے رب! ہم تیرے بندے ہیں' اگر تو ہماری پکڑ کرے' سزا دے' تو ہم اس کے مستحق ہیں۔ لیکن اگر درگزر کر دے' معاف فرما دے' تو یقیناً' اے غفور الرحیم' یہ تیرے شایان شان ہے۔

اے ہمارے رب! ہم کو دوزخ کے عذاب سے دور رکھنا۔ اس کا عذاب انتہائی تکلیف دہ ہے'

رہنے اور ٹھہرنے کے لیے وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔ پس ہمیں اس سے بچانا' اے رب۔

اے ہمارے رب! ہم تیرے دربار میں حاضر ہیں' اور کہاں جائیں! تیرے در پر پڑے ہیں' اور کس در پر جائیں! تیرے ہی آگے گریہ و زاری کرتے ہیں' اور کس کے آگے کریں! ہمارا التجا و عاوی تو ہی ہے۔ ہماری دعاؤں کو قبول فرما' ہمیں خالی ہاتھ نہ واپس کر۔ ہم تیرے بندے ہیں' ہماری اطاعت اور بندگی قبول فرما۔

اے ہمارے رب! تو ہمارے لیے کافی ہے۔ تو ہمارا بہت اچھا وکیل ہے۔ کیا ہی خوب مولا اور کیا ہی خوب مدد فرمانے والا ہے۔

اے میرے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں۔ تیرے بندے کا بیٹا ہوں اور تیری بندی کا بیٹا ہوں۔ میں تیرے قبضہ میں ہوں' میری پیشانی کے بال تیری مٹھی میں ہیں۔

میں تجھ سے سوال کرتا ہوں' تیرے ان ناموں کے حوالے سے

جو تو نے اپنے رکھے ہیں --- یا اپنی کتابوں میں نازل کیے ہیں --- یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی سکھائے ہیں' --- یا اپنے پاس انھیں پوشیدہ رکھا ہے۔

تیرے ان سب ناموں کے حوالے سے تجھ سے ہی سوال کرتا ہوں' کہ قرآن کو میرے دل کی بہار' میری آنکھوں کا نور' میرے غموں کو دور کرنے والا اور میری تکلیفوں کو مٹانے والا بنا دے۔

اے میرے اللہ!

میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے کھلے اور چھپے اپنی خشیت کی کیفیت عطا فرما۔ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ خوش ہوں یا غصہ میں' میرے منہ سے کلمہ حق ہی نکلے۔

میں تجھ سے سوال کرتا ہوں

ایسی آسائش کا' جو کبھی ختم نہ ہو--- آنکھوں کی ایسی ٹھنڈک کا' جو کبھی دور نہ ہو--- تسلیم و رضا کی ایسی کیفیت کا' جو تیرے فیصلوں پر راضی ہو--- عیش کی اس زندگی کا' جو موت کے بعد ہو--- اس لذت دیدار کا' جو تیرے وجہ کریم پر نظر سے نصیب ہو۔

اے میرے اللہ! تجھ سے ملاقات کی تڑپ چاہتا ہوں' جس میں نہ مجھے کوئی نقصان اور ضرر پہنچے اور نہ میں کسی فتنہ میں مبتلا ہو کر بھٹک جاؤں۔

اے میرے اللہ! میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں عافیت چاہتا ہوں۔

اے میرے اللہ! میں تجھ سے عفو کا خواستگار ہوں' عافیت چاہتا ہوں' دین و دنیا میں' اہل و عیال میں' مال میں۔

اے میرے اللہ! میرے گناہوں کو ڈھانپ لے--- میری پریشانیوں کو دور فرما دے---

میری حفاظت فرما' میرے آگے سے--- میرے پیچھے سے--- میرے دائیں سے--- میرے بائیں سے--- اور میرے اوپر سے۔

اے اللہ! میں تیری ایسی حفاظت میں آنا چاہتا ہوں کہ کوئی مجھے نقصان نہ پہنچا سکے۔

اے میرے رب! مجھے اور میرے اہل و عیال کو نماز قائم کرنے والا بنا۔

اے ہمارے رب! میری اور میرے والدین اور تمام مومنین کی حساب کے دن مغفرت فرما۔

اے میرے رب! ہم سب کو دنیا میں بھلائی عطا کر' آخرت میں بھی بھلائی عطا کر۔ ہم کو بچا آگ کے عذاب سے۔

اے میرے رب! میرے والدین کے ساتھ محبت و رحمت کا وہ سلوک کر جو انھوں نے میرے بچپن میں میرے ساتھ کیا تھا۔ میرے اہل و عیال کو میری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا اور ہمیں اہل تقویٰ میں نمایاں مقام عطا فرما۔

اے میرے رب! میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔

بھوک سے--- خیانت سے--- فکر و غم سے--- قرض کے بار سے--- لوگوں کے دباؤ سے--- آنکھ' کان' دل اور زبان کے شر سے--- بزدلی' کاہلی اور کنجوسی سے--- ایسے علم سے جو نفع نہ دے--- ایسے دل سے جس میں خشوع نہ ہو--- ایسے نفس سے' جو کبھی سیر نہ ہو--- ایسی دعا سے' جو قبول نہ ہو۔

اے میرے رب' تیری پناہ چاہتا ہوں۔

اے میرے رب! بے شک تو آنکھوں کی خیانت سے واقف ہے' اور دل میں جو کچھ چھپا ہوا ہے اسے بھی خوب جانتا ہے'

پس' میری مغفرت فرما' مجھ پر رحم فرما۔

--- یا غفور--- یا رحیم۔

میری نمازوں کو فحشاء و منکر سے روکنے والا بنا دے۔

میری نمازوں کو حضوری قلب کے لطف سے آشنا کر دے۔

اے ہمارے رب! اے ہمارے پیدا کرنے والے' ہمیں پالنے والے۔

اے میرے رب! میری مدد فرما--- اپنا ذکر کرنے میں--- اپنا شکر کرنے میں--- اور اپنی

عبادت اچھی طرح کرنے میں۔

اے میرے رب! میری حلال روزی میرے لیے کافی کر دے --- حرام سے مجھے محفوظ رکھ --- اور مجھ پر اپنا فضل فرما کہ میں تیرے سوا ہر ایک سے بے نیاز ہو جاؤں۔

اے میرے رب! تو میرا پالنے والا ہے' تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔
تو نے مجھے پیدا کیا ہے' میں تیرا بندہ ہوں۔
اور جیسی کچھ میری استطاعت ہے' تیرے عہد اور تیرے پیمان پر قائم ہوں۔
جو کچھ میں نے کیا ہے' اس کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔
جن نعمتوں سے تو نے مجھے نوازا ہے' ان کا اعتراف کرتا ہوں'
ان نعمتوں کے باوجود جو گناہ میں نے کیے ہیں ان کا اقرار کرتا ہوں۔
پس مجھے بخش دے'
بے شک تیرے سوا کوئی گناہوں کو بخشنے والا نہیں۔
اور تو تو گناہوں کو کل کا کل بخشنے والا ہے۔
میں تیری رحمت سے مایوس ہونے والا نہیں ہوں۔
مجھے بخش دے --- مجھ پر کرم فرما۔

اے ہمارے رب! ہمارے ملک میں تیرے دین کے غلبہ کے لیے تحریک اسلامی جو جدوجہد کر رہی ہے' اسے کامیاب فرما۔

اہلِ پاکستان کے حق میں' اپنی رحمت کو جوش میں لا اور ان کے مصائب کا خاتمہ فرما۔
اسلامی نظام کے نفاذ سے ہماری آنکھوں کو ٹھنڈک بخش دے۔

اے ہمارے مولا' تحریک کے کارکنوں کو ہمت' حوصلہ عطا کر' ایمان کی قوت سے ان کی کوششوں میں برکت عطا فرما۔

ہمارے قائدین کی مدد فرما۔ انھیں فراست اور حکمت سے فیصلے کرنے کی توفیق عطا فرما۔
ان کو ایمان' اخلاص اور اخلاق حسنہ کی نعمتوں سے مالا مال کر۔

اس جدوجہد میں' جو ساتھی اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے تیرے حضور حاضر ہو چکے ہیں' ان کی خوب مہمان نوازی فرما۔

اور ہمیں توفیق دے کہ ہم ان کے روشن کیے ہوئے راستے پر چلتے چلے جائیں اور منزل تک پہنچیں۔

اے ہمارے رب! طویل دور نکبت کے بعد، آج تیرے رسول ﷺ کی امت باطل کے خلاف جگہ جگہ جدوجہد میں مصروف ہے۔ کشمیر، بوسنیا، فلسطین، اراکان، تاجکستان اور ہندوستان، جگہ جگہ جہاد کے محاذ کھلے ہیں--- ہمیں ایسا نہ ختم ہونے والا جذبہ دے کہ ہم اپنا سب کچھ اس جہاد میں لٹا دیں۔

اور اے ہمارے رب!

اپنے دین کے دشمنوں کو انتشار کا شکار کر دے۔ ان کے گھروں کو تباہ و برباد کر دے، ان کی سازشوں کو ناکام بنا دے، ان کی تدبیروں کو ان ہی پر الٹ دے۔

بے شک تیرے لیے یہ سب کچھ آسان ہے۔

میرے خدا، میرے اللہ، میرے رب!

تیرے حضور بہت کچھ عرض کیا ہے، بہت کچھ مانگا ہے۔ تیرے خزانے لامتناہی ہیں، اے دعاؤں کو قبول کرنے والے، میری دعاؤں کو قبول فرما۔ بے شک تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اے رب! ہم نے جس نیت سے اس تحریک سے تعلق قائم کیا ہے وہ اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ تیری رضا حاصل ہو۔ ہماری نیت کو خالص رکھ، ہم جو کچھ کریں صرف تیرے لیے کریں، جہاں ہماری نیت میں ملاوٹ ہو جائے اس سے درگزر فرما۔

ہمیں سیدھا راستہ دکھا، اس پر چلا، اور کامیابی عطا فرما، تاکہ تیری جنت سے سرفراز ہوں، وہاں کے میوے کھائیں، تختوں پر آمنے سامنے بیٹھیں۔ شرابا طہورا پئیں اور وہ کچھ پائیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی دل نے جس کا تصور کیا۔

اے اللہ!

ہمارے دلوں کو دنیا کے فتنوں سے محفوظ فرما۔

راستہ کھوٹا کرنے والے شیطان کے پھندوں سے بچا--- شیطان کو ہم سے مایوس کر دے، خداوندا۔

ہم دنیا کے پیچھے نہ جائیں، دنیا ہمارے پیچھے چلے۔ ہمیں توفیق دے، ہماری استعانت فرما۔

اور آخر میں تجھ سے تیری محبت مانگتا ہوں--- جو تجھ سے محبت کرتا ہو اس کی محبت--- ہر اس عمل کی محبت جو تیری محبت سے قریب کر دے۔ وہ محبت جو ہر چیز کی محبت سے بڑھ کر ہو۔

اے اللہ! میرے لیے اپنی محبت کو، میرے نفس سے، میرے اہل و عیال سے، میرے مال سے، میری اولاد سے اور شدید گرمی میں سخت پیاس کے عالم میں ٹھنڈے پانی کی محبت سے زیادہ کر دے۔

اللھم صلی علی سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد و بارک وسلم۔

اور جس نے کسی ایک انسان کی جان بچائی گویا اس نے سارے انسانوں کی جان بچالی (القرآن)

دستِ تعاون بڑھایئے



الخدمت ویلفیر سوسائٹی (رجسٹرڈ) نے پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن کے تعاون سے کراچی کے پسماندہ علاقے ضلع غربی میں اورنگی ٹاؤن، قصبہ، علیگڑھ کالونی، بنارس اور قرب وجوار میں رہائش پذیر دکھی لوگوں کے لئے جدید اور معیاری سہولیات سے آراستہ ۱۰۰ بستروں کے ہسپتال کا منصوبہ تشکیل دیا ہے۔

اس منصوبے کے تعمیراتی اخراجات اور طبی آلات کا تخمینہ دو کروڑ روپے لگایا گیا ہے۔

الخدمت ہسپتال

بالمقابل اورنگی ٹاؤن تھانہ، اورنگی ٹاؤن۔ کراچی۔

فون :- فیکس :-

الخدمت ہسپتال کی تعمیر کے لئے اپنے عطیات بنام الخدمت ویلفیر سوسائٹی کراچی (رجسٹرڈ) اکاؤنٹ نمبر ۶/۵ مسلم کمرشل بنک، خداداد کالونی برانچ میں جمع کروائیں۔

الخدمت ویلفیئر سوسائٹی کراچی (رجسٹرڈ)

عطیہ اشتہار ۔ پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن کراچی۔

غیر مسلموں سے تعلقات اور اسلامی تعلیمات

عام غیر مسلموں سے تعلقات

سید جلال الدین عمری

غیر مسلم والدین، رشتہ داروں اور ہمسایوں سے جس طرح کے خوشگوار تعلقات کی اسلام نے اجازت دی ہے، اس کا ذکر اس سے پہلے شمارہ جنوری میں آچکا ہے۔ اب اس سلسلہ کی بعض عمومی تعلیمات پیش کی جارہی ہیں۔

یہ تعلیمات صاف بتاتی ہیں کہ عام غیر مسلموں سے ربط و تعلق سے اسلام نے منع نہیں کیا بلکہ وقت ضرورت ان کی خدمت کرنا اور ان کے دکھ درد میں کام آنا، اس کے نزدیک ایک پسندیدہ عمل اور کارِ ثواب ہے۔ اس سلسلے میں اگر کچھ ذہنی تحفظات تھے، تو اسلام نے انھیں رفع کیا ہے اور کسی قسم کے شک و شبہے کو باقی رہنے نہیں دیا ہے۔

سورۂ بقرہ میں ایک جگہ راہِ خدا میں انفاق کا ذکر اور ترغیب ہے، اخلاص کی ہدایت ہے اور ریاکاری سے بچنے کی تاکید ہے، اور دوسری تفصیلی ہدایات ہیں۔ عین ان تفصیلات کے بیچ میں ایک آیت آئی ہے، جو قابلِ غور ہے، اور ہمارے موضوع سے اس کا خاص تعلق ہے۔ ارشاد ہے:

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۗ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنفُسِكُمْ ۚ وَمَا تُنفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ (البقرہ ۲: ۲۷۲)

(اے پیغمبر) آپ پر ان کو ہدایت بخش دینے کی ذمہ داری نہیں ہے، البتہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے۔ تم جو بھی مال اللہ کی راہ میں خرچ کروگے اس کا فائدہ تم ہی کو پہنچے گا۔ دیکھو، تم اللہ کی رضا ہی کے لیے تو خرچ کرتے ہو۔ تم جو مال بھی خرچ کروگے اس کا پورا بدلہ تمھیں دیا جائے گا اور تمھاری حق تلفی نہ ہوگی۔

یہ آیت یہاں کیوں آئی ہے' اس کا اصل مضمون سے کیا تعلق ہے' اس بارے میں تفاسیر میں متعدد روایات ملتی ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت تھی کہ مسلمان جو کچھ صدقہ و خیرات کریں وہ مسلمانوں ہی پر کریں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم' ج ۱' ص ۳۲۲)۔ ایک روایت میں اس ممانعت کی وجہ بھی بیان ہوئی ہے۔ سعید بن جبیر ؒ کہتے ہیں کہ ذمیوں میں جو حاجت مند ہوتے' مسلمان ان پر انفاق کیا کرتے تھے۔ جب مسلمانوں ہی میں حاجت مندوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تو آپ ؐ نے فرمایا۔ "تم مسلمانوں ہی پر صدقہ و خیرات کرو"۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی' اور ان لوگوں پر بھی خرچ کرنے کی اجازت دی گئی جو دائرہ اسلام سے باہر ہیں (قرطبی، الجامع لاحکام القرآن' ج ۳' ص ۳۳۷)

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کی ایک اور روایت ہے۔ فرماتے ہیں انصار کے رشتے' بنو قریظہ اور بنو نضیر سے تھے۔ انصار ان پر اپنا مال خرچ کرنے سے احتراز کرتے تھے (ابن جریر، جامع البیان' ج ۵' ص ۵۸۸)۔ ان کی خواہش تھی کہ وہ اسلام لے آئیں تو ان پر خرچ کیا جائے' اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ روایت بتاتی ہے کہ پس منظر میں یہود اور ان سے تعلقات تھے۔ گویا آیت نے ہدایت کی کہ ان کے نادار بھی حسن سلوک کے مستحق ہیں اور ان پر بھی انفاق ہونا چاہیے۔ بعض دوسری روایات میں اسی پس منظر کے ساتھ مشرکین کا ذکر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ ہی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین پر انفاق نہیں کرتے تھے' اس پر یہ آیت نازل ہوئی (ابن جریر، ج ۵' ص ۵۸۷)۔ یہی بات صحابہ کرام ؓ کے بارے میں بھی کہی گئی ہے کہ وہ اپنے مشرک قرابت داروں پر خرچ نہیں کرتے تھے' اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس کی اجازت انھیں دے دی گئی۔ حضرت قتادہ ؒ ایک عمومی بات بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض صحابہ کرام ؓ نے دریافت کیا کہ جو لوگ ہمارے ہم مذہب نہیں ہیں' کیا ان پر بھی انفاق کیا جا سکتا ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اسلام کی جس طرح ہر طرف سے مخالفت ہو رہی تھی اور اس کے ماننے والے جس طرح جور و ستم کا نشانہ بنائے جا رہے تھے' اس کے خلاف مسلمانوں کے اندر ردعمل کا پایا جانا غیر فطری نہ تھا۔ ان کے دل میں کبھی یہ سوال ابھرتا ہو گا کہ ان کے خویش و اقارب اور دور و نزدیک کے لوگ آخر اس دین کی مخالفت کیوں کر رہے ہیں' جس میں سب کی صلاح و فلاح کا سامان ہے؟ کبھی وہ یہ سوچتے ہوں گے کہ ان لوگوں کے ساتھ کیوں ہمدردی کی جائے اور مشکلات میں ان کی مدد کیوں کی جائے جو زندگی

بھر ہمارے راستے میں کانٹے بچھاتے اور ناوک افگنی کرتے رہے؟ کبھی یہ خیال آتا ہو گا کہ ان دشمنان دین کے ساتھ تعاون کا کوئی اجر و ثواب بھی ہے یا نہیں؟ کبھی یہ خواہش موجزن ہوتی ہو گی کہ کاش یہ ایمان لے آتے اور ہم اپنا سب کچھ ان پر نچھاور کر دیتے؟ اوپر کی روایات ان سب کیفیات کی ترجمانی کرتی ہیں۔

قرآن مجید نے انفاق اور اس کے تقاضوں کو بیان کرتے ہوئے اس جذبے کی بھی اصلاح کی ہے کہ تعاون، ہمدردی اور حسن سلوک کے مستحق صرف اپنے ہم مذہب افراد ہیں۔ اس نے کہا کہ انسانوں کی خدمت کی راہ میں عقیدہ و خیال اور دین و مذہب کے اختلاف کو رکاوٹ نہیں بننا چاہیے۔ جو شخص ضرورت مند ہے، اس کی مدد کرنا دینی اور اخلاقی فرض ہے، چاہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، مشرک ہو یا اہل کتاب، رشتہ دار ہو یا غیر رشتہ دار۔ آدمی کی یہ خواہش یا اصرار کہ لوگ ایمان لے آئیں تو ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ ایمان کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جس کے اندر طلب صادق پائی جاتی ہے اسے وہ اس دولت سے نوازتا ہے۔ آدمی یہ سوچ کر انسانوں کی خدمت اور فلاح و بہبود کے کام کرتا چلا جائے کہ اس کا اجر و ثواب اللہ نے چاہا تو محفوظ ہے، اور کل وہ اس کے کام آئے گا۔ اس پورے پس منظر کے ساتھ یہ آیت ان بہت سے الزامات کی تردید کرتی ہے جو اسلام کے کردار پر کیے جاتے ہیں۔

اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ؐ نے مسلم و غیر مسلم ہر فرد اور ہر طبقے پر صدقہ و خیرات کی ہدایت فرما دی۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں: ''اس آیت کے بعد آپ ؐ نے حکم دیا کہ کسی بھی دین کا ماننے والا تم سے سوال کرے تو اس پر خرچ کرو'' (ابن کثیر، ج ۱، ص ۳۲۴)۔ اسی سلسلے کی ایک اور روایت ابن ابی شیبہ میں ہے: ''تمام اہل مذاہب پر صدقہ و خیرات کرو''۔ حضرت سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ رسول اللہ ؐ نے ایک یہودی گھرانے پر صدقہ کیا تھا جو بعد میں بھی جاری رہا (ایضاً)۔ اس آیت کے سیاق و سباق سے بحث کرتے ہوئے علامہ قرطبی کہتے ہیں: ''یہ آیت صدقات کے ذکر سے ملی ہوئی ہے۔ گویا اس میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ مشرکین پر صدقہ کرنا جائز ہے'' (قرطبی، ج ۲، ص ۳۳۷)۔

اس بحث کا تعلق مسئلے کے اخلاقی پہلو سے ہے۔ آیئے! اب ذرا اس کے فقہی اور قانونی رخ پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے۔ سوال یہ ہے کہ ایک مسلمان اپنے مال کا کتنا اور کون سا حصہ غیر مسلموں کی مدد اور ان کی فلاح و بہبود کے کاموں میں خرچ کر سکتا ہے، اور کون سا حصہ خرچ نہیں کر سکتا؟

اسلامی شریعت میں صدقات دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو فرض اور واجب ہیں، اور

دوسرے وہ جن کی نوعیت فرض یا واجب کی نہیں ہے۔ فرض صدقات میں سے پہلے زکوٰۃ کا سوال سامنے آتا ہے۔ "اس بات پر امت کا اتفاق ہے کہ اموال زکوٰۃ غیر مسلم پر صرف نہیں ہوں گے" (ابن قدامہ۔ المغنی۔ ج ۲' ص ۶۵۳)۔

لیکن زکوٰۃ کے جو مصارف بیان کیے گئے ہیں' ان میں اس کے عمال اور کارندے بھی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا زکوٰۃ کی وصولیابی اور تقسیم وغیرہ کے کام پر کسی غیر مسلم کو لگانا اور اس کا اسے محنتانہ دینا صحیح ہے یا نہیں؟ امام احمد بن حنبل سے ایک روایت یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے' لیکن دوسری روایت یہ ہے کہ یہ جائز ہے۔ جس طرح اور کاموں پر اسے اجرت دی جاسکتی ہے اسی طرح اس کام پر بھی اسے اجرت دینا غلط نہیں ہے۔ مشہور حنبلی فقیہ علامہ خرقی کی رائے بھی یہی معلوم ہوتی ہے (ایضاً' ص ۶۵۴)۔

صدقہ فطر کے بارے میں امام مالک' امام شافعی اور امام احمد وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ یہ زکوٰۃ کے حکم میں ہے' لہٰذا اسے زکوٰۃ ہی کی طرح مسلمانوں پر صرف ہونا چاہیے۔ لیکن امام ابوحنیفہ ذمیوں پر بھی اس کے صرف کو جائز سمجھتے ہیں۔ عمرو بن میمون وغیرہ کے بارے میں آتا ہے کہ فطرہ کی رقم سے وہ راہبوں کی مدد کیا کرتے تھے (ایضاً' ج ۳' ص ۷۸)۔

علامہ جصاص نے فقہ حنفی کی ترجمانی کرتے ہوئے قرآن مجید کی بعض آیات کا حوالہ دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقات مشرکین پر بھی کیے جاسکتے ہیں' لیکن احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کی تمام قسمیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ رسول اللہ ؐ کا ارشاد ہے کہ مجھے تمھارے اصحاب ثروت سے زکوٰۃ وصول کرنے اور تمھارے اصحاب حاجت پر اسے لوٹا دینے کا حکم ہے۔ اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جن صدقات کے وصول کرنے کا حق امام یا ریاست کو ہے' وہ ذمیوں پر صرف نہیں ہوسکتے۔ ان کے علاوہ دوسرے تمام صدقات ذمیوں کو دیے جاسکتے ہیں۔ جیسے نذر کا صدقہ' غلطیوں کے کفارے کا صدقہ' یا صدقہ فطر۔ امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ صدقات واجبہ غیر مسلموں پر صرف نہیں کیے جاسکتے۔ انھیں انھوں نے زکوٰۃ پر قیاس کیا ہے (جصاص۔ ج ۱' ص ۵۴۷)۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے فقہا کے ہاں اس مسئلے میں کتنی وسعت ہے اور انھوں نے کتنی گنجایش رکھی ہے۔

زکوٰۃ ایک چھوٹی سی مد ہے' جو اللہ کی راہ میں خرچ کی جاتی ہے۔ دیگر صدقات واجبہ کی تعداد بھی بہت تھوڑی ہے۔ ان سے ہٹ کر انسانوں کی خدمت' تعاون اور ہمدردی کی بہت سی شکلیں ہیں۔

اسلام ان سب کی ترغیب دیتا اور تشویق پیدا کرتا ہے۔ ان کے ذریعے مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلموں کو بھی فائدہ پہنچایا جا سکتا ہے، اور وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

غیر مسلم قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک

انسان جب خدا اور آخرت کو فراموش کر بیٹھتا ہے تو اس کے ہاتھوں اپنے جیسے دوسرے انسانوں کے حقوق محفوظ نہیں رہ پاتے۔ وہ کمزوروں، ناداروں، یتیموں اور مسکینوں پر ستم ڈھاتے اور ان کے حقوق پر دست درازی کرنے لگتا ہے۔ یہ بات قرآن مجید میں متعدد مقامات پر کہی گئی ہے (الفجر ۸۹: ۱۹، البلد ۹۰: ۱۷، المدثر ۷۴: ۴۴)۔ اس کے برخلاف خدا کے نیک بندوں کا کردار وہ ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۝ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ۝ إِنَّا نَخَافُ مِن رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا ۝

اور وہ کھانا کھلاتے ہیں اس کی خواہش اور طلب کے باوجود مسکین، یتیم (اور قیدی کو، اور کہتے ہیں کہ) ہم تو تمھیں صرف اللہ کی رضا کے لیے کھلا رہے ہیں، تم سے کسی بدلے یا شکریے کے طالب نہیں ہیں۔ ہمیں تو اپنے رب سے اس دن کے عذاب کا ڈر ہے جو سخت مصیبت والا اور طویل ہوگا۔ (الدھر ۷۶: ۸-۱۰)۔

معاشرے کے کمزور افراد کو کھانا کھلانا، خدا کے نیک بندوں کے مجموعی کردار کی ایک اہم علامت ہے۔ یہاں اسی پہلو سے اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ مشکلات میں ان کے کام آتے ہیں، ان کو کھلاتے پلاتے ہیں، ان کی ہر طرح سے مدد کرتے ہیں، اور ان کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر مقدم رکھتے ہیں۔

یہاں یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ قیدیوں کا بھی ذکر ہے۔ یہ پہلو بہت اہم ہے۔ یتیم اور مسکین چاہے اپنے ہوں یا پرائے، ان کا تعلق کسی بھی قوم اور طبقے سے ہو، ان کی بے کسی اور مجبوری کا احساس پایا جاتا ہے۔ یہی احساس آدمی کے اندر ان سے ہمدردی کے جذبات ابھارتا ہے۔ وہ ان کی مدد کے لیے آگے بڑھتا ہے، انھیں مدد کا مستحق سمجھتا ہے۔ صرف شقی القلب اور خود غرض انسان ہی ان جذبات سے عاری ہوتا ہے۔ لیکن قیدیوں کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ وہ دشمن سمجھے جاتے ہیں۔ ان کے ساتھ ہمدردی کا وہ جذبہ عام حالات میں مفقود ہوتا ہے جو کسی یتیم یا مسکین کے حق میں پایا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے قیدیوں سے تاریخ میں بہت ہی برا سلوک ہوتا رہا ہے۔ انھیں سخت سے سخت اذیتیں دی جاتی تھیں۔ وہ کال کوٹھڑیوں میں پڑے پڑے ختم ہو جاتے تھے یا بکتے تو ہاتھوں میں

ہتھکڑیاں اور پیروں میں بیڑیاں ہوتی تھیں۔ ان کی ضروریات کی تکمیل کی کوئی متعین صورت نہ تھی۔ بسا اوقات بھیک پر ان کا گزارا ہوتا تھا۔ ان حالات میں اسلام نے اپنے ماننے والوں کے اندر قیدیوں کے مجرم اور گناہ گار ہونے سے زیادہ ان کے انسان اور ہمدردی کے مستحق ہونے کا جذبہ ابھارا۔

مکہ کے اصحاب ثروت اور زرپرست، مسکینوں اور یتیموں کے ساتھ جس شقاوت اور بے رحمی کا سلوک کرتے تھے، قیدیوں کے ساتھ ان کا سلوک اس سے مختلف نہیں رہا ہو گا۔ اسلام نے اس پورے رویے پر تنقید کی اور اللہ کے نیک بندوں کی تعریف کی کہ وہ ظلم و جور کے شکنجے میں کسے ہوئے قیدیوں کو اپنی محبت اور حسن سلوک سے راحت پہنچا رہے ہیں۔

مشہور تابعی حضرت عکرمہؒ نے "اسیر" سے غلام مراد لیا ہے۔ طبری نے اس رائے کو پسند فرمایا ہے۔ ان کے نزدیک اسیر کا لفظ عام ہے۔ اس میں مسلم اور مشرک دونوں طرح کے غلام آجاتے ہیں۔ (ابن کثیر، ج ۴، ص ۴۵۵)۔ غلامی بھی ایک طرح کی قید ہی ہے۔ قرآن مجید نے بند غلامی کو توڑنے اور غلاموں کو آزاد کرانے کی تحریک شروع کی اور ترغیب و تشویق کے ذریعے اسے آگے بڑھایا۔

مدینہ میں جب اسلامی ریاست قائم ہو گئی تو خدا کے ان نیک بندوں نے قیدیوں کے ساتھ جس حسن سلوک کا مظاہرہ کیا اس کی مثال پوری انسانی تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔

اس بحث کو آگے بڑھانے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ "اسیر" سے اس آیت میں کس قسم کے قیدی مراد ہیں۔ ہر ریاست بعض خاص قسم کے جرائم کے ارتکاب پر اپنے شہریوں کو قید و بند کی سزا دیتی ہے۔ یہ شہری بھی قیدی ہوتے ہیں۔ ریاست حالت جنگ میں ہو تو دشمن کے افراد بھی قیدی بنائے جاتے ہیں۔ انھیں جنگی قیدی کہا جاتا ہے۔ اس آیت کے ذیل میں دونوں طرح کی رائیں ملتی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں "اسیر وہ ہے جس کا تعلق مشرکین سے ہو، جو مسلمانوں کے ہاتھ میں (قیدی) ہو"۔ یہی تفسیر قتادہ، سعید بن جبیر سے نقل ہے۔ قتادہ کہتے ہیں: "اللہ تعالیٰ نے قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے اور اس دور میں ان کے قیدی اہل شرک ہی ہوتے تھے"۔ (قرطبی، ج ۱۹، ص ۱۲۵)۔

حضرت حسن بن ابی حسان کہتے ہیں کہ "اسیر" اہل قبلہ (مسلمان) اور غیر اہل قبلہ (غیر مسلم) دونوں ہی ہو سکتے ہیں۔ قرطبی نے اسے ایک جامع قول قرار دیا ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں: "مشرک قیدی کو کھانا کھلانا بھی اللہ تعالیٰ سے قربت کا ذریعہ ہے۔ البتہ اس پر خرچ فرض صدقات سے نہیں بلکہ نفل صدقات سے ہو گا (ایضاً)۔

جصاص کہتے ہیں کہ یہاں "اسیر" سے مراد مشرک قیدی ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ مسلمان

قارئین ترجمان القرآن کے نام

مدیر ترجمان القرآن، خرم مراد کا خط

محترمی السلام علیکم ورحمتہ اللہ

اللہ تعالیٰ آپ کو ایمان اور صحت و عافیت کے ساتھ رکھے۔

یہ سراسر اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، اور آپ سب کی کوششوں کا پھل، کہ ترجمان القرآن کی اشاعت جنوری ۹۴ کے بعد، تین ماہ میں ہی تین گنا سے زیادہ ہو گئی، اور یہ اپنی نوعیت کا سب سے زیادہ شائع ہونے والا ماہنامہ بن گیا۔ آپ کا اجر اللہ کے پاس ہے، لیکن میں آپ کے تعاون کے لیے آپ کا بے حد شکر گزار ہوں۔

ماضی میں چند شکایات پیدا ہوئیں، جو بجا تھیں۔ مجھے امید ہے کہ آئندہ ایسا نہ ہوگا، الا ماشاء اللہ۔ شکایات کی وجہ ہی سے میں نے بھی توسیع اشاعت کے لیے آپ سے دوبارہ درخواست نہیں کی۔ لیکن اب میں آپ کو لکھ رہا ہوں۔ اللہ کا فضل ہے کہ لوگ پسند اور شوق سے ترجمان خریدتے اور پڑھتے ہیں۔ جہاں ترجمان جائے گا، وہاں ہر ماہ اسلام کی دعوت اور قرآن کا پیغام پہنچے گا۔ جہاں ترجمان پڑھا جائے گا، انشاء اللہ دل و دماغ مسخر ہوں گے۔ یہ رسالہ آپ کی علمی و اخلاقی تربیت میں بھی کلیدی کردار ادا کر سکتا ہے۔

کنواں کھود دیا گیا ہے، پیاسے موجود ہیں، ان تک پانی پہنچانا آپ کا کام ہے۔ اگر ہر آدمی، جس کو ترجمان پسند ہے، یہ تہیہ کر لے کہ یہ پرچہ ہر اس آدمی تک ضرور پہنچے گا جس تک پہنچنا چاہیے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کی اشاعت ایک لاکھ تک نہ پہنچ جائے۔ بعض رفقاء نے دو دو سو تک خریدار بنائے ہیں۔ میں نیچے ایک لائحہ عمل دے رہا ہوں۔ آپ عزم اور ہمت کیجیے، اللہ آپ مدد کرے گا۔ منصرکم اللہ

انفرادی خریدار

۱۔ ترجمان کو پسند کرنے والا ہر شخص اور ہر کارکن، اپنے اقربا، احباب، اور حلقہ تعارف میں ایسے تمام افراد کے نام ایک کاغذ پر لکھ لے جن تک ترجمان پہنچنا چاہیے۔

(ا) جو سالانہ خریدار بن سکتے ہیں، ان کو خریدار بنائیں۔ وی پی کے ذریعہ، ورنہ نقد بھجوا دیں۔ جن کو شکایت ہوئی ہو، ان سے معذرت کر کے دوبارہ آمادہ کریں۔

(ii) جو ہر ماہ خریدنا چاہیں، ان کو ایجنٹ کے ذریعہ پہنچانے کا انتظام کریں۔

۲۔ ترجمان ایک قیمتی ہدیہ بھی ہے۔ ایک صدقہ جاریہ بھی۔ لوگوں کو ایک سال کے لیے ہدیہ دینے پر آمادہ کریں۔ گفٹ کارڈ کے ساتھ جاری کر دیا جائے گا۔

۳۔ جن بااثر افراد تک ترجمان پہنچنا مفید ہو، اور آپ خریدار نہ بنا سکیں، ان کو ایک سال کے لیے ہدیتاً بھجوا دیں۔ ۵ خریداروں کے لیے ۔/۴۰۰ سالانہ خرچ آئے گا۔ علماء و سیاسی لیڈر، اساتذہ، حکومتی اور فوجی افسران، تاجر، جرنلسٹ، ادیب وغیرہ۔

ایجنٹ

۵۔ ایک بڑا اہم کام یہ ہے کہ اپنے مقام پر آپ ایسا ایجنٹ تلاش کریں جو یہ رسالہ، اسٹالوں اور ہاکروں تک پہنچا سکے۔ اس کا دفتر سے رابطہ کرا دیں۔

۶۔ جو فی الوقت ایجنٹ ہوں وہ ہر ماہ اپنے خریداروں کی تعداد میں کم سے کم دو خریداروں کا اضافہ کریں۔ اس مقصد کے لیے زائد پرچے دفتر سے طلب کر سکتے ہیں۔

۷۔ پبلک مقامات پر ترجمان کا اشتہاری مواد پہنچائیں، آویزاں کرائیں۔ اسٹال، اسٹیشن، بس سٹاپ، ہوٹل، دکانیں، ریسٹورنٹ اور تعلیمی ادارے وغیرہ۔

۸۔ اسٹالوں اور ہاکروں سے ترجمان خود مانگیں، دوسروں کو بھی ترغیب دیں۔

۱۔ نمونے کے پرچے درکار ہوں تو ہم سے طلب کریں۔ (پرانے پرچے ۔/5)

۲۔ وی پی آرڈر کارڈ، جن پر ٹکٹ نہیں لگتا، فراہم کیے جا سکتے ہیں۔

۳۔ اشتہاری دوورقہ اور پوسٹر۔

ازالہ شکایات

ہر شکایت کے لیے فوراً دفتر کو لکھیں۔ انشاء اللہ ازالہ ہوگا۔

ماضی میں جن خریداروں کو پرچہ نہیں ملا، وہ درج ذیل کوائف کے ساتھ لکھیں

۱۔ نام ۲۔ پتہ (صاف صاف) ۳۔ کس ماہ سے خریدار بنے؟ ۴۔ خریداری نمبر یا ثبوت (اگر ہو) ۵۔ کون سے پرچے نہیں ملے ۶۔ گذشتہ پرچے چاہتے ہیں یا مدت خریداری میں توسیع؟

فہرست نیوز ایجنٹس

۱۔ جناب سید ثناء اللہ شاہ بخاری، بک سنٹر اینڈ جدید فوٹو سٹیٹ، چوک فوارہ، اٹک شہر

۲۔ جناب ممتاز علی قریشی، معرفت ڈاکٹر ذاکر حسین، مسجد گول چوک، اوکاڑہ

۳۔ جناب طارق محمود خان، مکان ۱۵۴، گلی ۶۷، سیکٹر ۲ / ۴-ایف، اسلام آباد۔ فون: 817793

۴۔ جناب ریاض الحسن، مکان ۷ / ۲ نزد سابقہ مشن سکول محلہ ملکھیاں، بہاولپور

۵۔ جناب وحید الدین، سابق انسپکٹر جمالیات، مدینہ مارکیٹ نزد سبزی منڈی، بھکر

۶۔ جناب محمد مہدی خان گوندل، ٹیکنیکل آفیسر پنسلین فیکٹری، سکندر آباد، میانوالی

۷۔ جناب سلیم افضل، افضل نیوز ایجنسی، چوک یادگار، پشاور فون: 212515

۸۔ جناب ماسٹر عبدالواحد، امیر جماعت اسلامی وارڈ ۱۱۔ گلی ۳۔ پرانی منڈی، پتوکی، قصور

۹۔ جناب مفتی احمد انصاف، مفتی کلاتھ ہاؤس، صدر بازار، ٹوبہ ٹیک سنگھ

۱۰۔ جناب چوہدری راج ولی، محلہ اسلامیہ ہائی سکول، جہلم شہر

۱۱۔ جناب احمد شاہ ہاشمی، معرفت جامعہ معارف اسلامی، یوسف شاہ روڈ، جھنگ صدر

۱۲۔ چوہدری عبدالرحیم، ناظم شکیل بوٹ ہاؤس، مین بازار، چیچہ وطنی، ساہیوال

۱۳۔ جناب اصغر شوکت علی، مکتبہ تحریک اسلامی، احمد مارکیٹ، یونٹ ۸۔ لطیف آباد حیدر آباد

۱۴۔ جناب ناظم دفتر تحریک اسلامی نزد جوہر پریس، جوہر آباد، خوشاب

۱۵۔ جناب ناظم دفتر جماعت اسلامی، بلاک ۱۲، قائد اعظم روڈ، ڈیرہ غازی خان

۱۶۔ جناب حکیم عبدالرحمن، راجن پور

۱۷۔ جناب پروفیسر چوہدری عطاء اللہ، دفتر جماعت اسلامی، پل مریڑ حسن الاکرام بلڈنگ، مری روڈ، راولپنڈی

۱۸۔ جناب رضا محمد، زمزم ہوٹل، مولوی محمد حسین روڈ، صدر بازار، راولپنڈی

۱۹۔ جناب ملک غلام علی، دفتر جماعت اسلامی، چوک سیٹلائٹ ٹاؤن، سرگودھا

۲۰۔ جناب نسیم اشرف خان، مکتبہ تعمیر انسانیت نزد کرن بیکرز، فیض محمد روڈ، سکھر

۲۱۔ جناب چوہدری محمد یعقوب، معرفت قاضی ٹینٹ سروس، رنگ بازار، سیالکوٹ

۲۲۔ جناب محمد رمضان سفری، معرفت دفتر جماعت اسلامی ضلعی چنیوٹ بازار، فیصل آباد

۲۳۔ جناب شیخ محمد اسحاق، مکتبہ افکار اسلامی، عمر مارکیٹ، کچہری بازار، فیصل آباد

۲۴۔ جناب حاجی محمد اقبال، امیزان جنرل سٹور، مین بازار، فورٹ عباس، بہاولنگر

۲۵۔ جناب مختار احمد، منتق تحریک اسلامی، بیرون کورٹ پیراں، رسہ چھٹہ، قصور

۲۶۔ میسرز بک ڈسٹری بیوٹرز، ۱۵۲۔بی خدا داد کالونی، کراچی فون: 7787137

۲۷۔ جناب محمد عثمان ڈار، بغداد کالونی ۔۳۔ پھلرواں روڈ، گجرات شہر

۲۸۔ جناب عبدالحفیظ طاہر، دفتر جماعت اسلامی ۔ ۹۸ ۔ای ۔ سیٹلائٹ ٹاؤن، گوجرانوالہ

۲۹۔ میسرز آصف نیوز ایجنسی، اخبار مارکیٹ، ہسپتال روڈ، لاہور ۔ فون: 7358249

۳۰۔ جناب اخونزادہ عبدالمتین، معرفت تعمیر نو پبلک سکول، ژوب روڈ، لورالائی، بلوچستان

۳۱۔ جناب حبیب الرحمن، پٹیالہ کتاب گھر، مظفر گڑھ

۳۲۔ جناب عبدالرزاق ہارڈویئر مرچنٹ، مین بازار، چوک فتح محمد، میانوالی

۳۳۔ میسرز ضیاء بکڈپو، نیو روڈ، گرین چوک، منگورہ (سوات)

۳۴۔ پاسبان خبر مرکز ضلعی دفتر جماعت اسلامی، سرور روڈ، ملتان، فون: 30273

۳۵۔ جناب محمد علی شیخ، الشیخ سوئیٹس، کچہری بازار، نواب شاہ، سندھ

۳۶۔ جناب محمد اکرام بٹ، اسلامی نیوز ایجنسی، وہاڑی

محترم مینجر صاحب　　　　　　　　　　السلام علیکم ورحمتہ اللہ

میں ترجمان القرآن کا سالانہ خریدار بننا چاہتا ہوں ۔ براہ کرم مجھے ۔/120 کے زرسالانہ کا وی پی بھیج دیں

میں آپ کو زرسالانہ بذریعہ منی آرڈر / ڈرافٹ ارسال کر رہا ہوں ۔

نام: ....

پتہ: ....

....

قیدی کو علی الاطلاق "اسیر" نہیں کہا جاتا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں: "آیت سے یہ بات نکلتی ہے کہ قیدی کو کھانا کھلانا اللہ سے تقرب کا ذریعہ ہے۔ آیت کے الفاظ سے بظاہر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مشرک قیدیوں پر ہر طرح کے اموال صدقات صرف کیے جا سکتے ہیں۔ لیکن (جیسا کہ پہلے گزر چکا) ہمارے اصحاب کی رائے یہ ہے کہ اس سے وہ صدقات مستثنیٰ ہیں جن کے وصول کرنے کا حق حاکم کو ہے" (جصاص، ج ۳، ص ۵۷۹)

جنگ بدر میں مشرکین کے ۷۰ آدمی مارے گئے اور ۷۰ ہی قیدی بنائے گئے (بخاری، کتاب المغازی)۔ رسول اللہ ﷺ نے قیدیوں کو صحابہ کرامؓ کے درمیان تقسیم کر دیا، اور نصیحت فرمائی کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ اس پر عمل جس طرح ہوا اس کا ذاتی تجربہ حضرت مصعب بن عمیرؓ کے بھائی ابو عزیز بن عمیر کی زبانی سنیے۔

وہ اس جنگ میں نضر بن حارث کے بعد مشرکین کے علم بردار تھے۔ فرماتے ہیں کہ وہ بعض انصار کے حوالے کیے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت کا ان پر یہ اثر تھا کہ صبح و شام کھانے کے وقت مجھے روٹی کھلاتے اور خود کھجور کھا کر رہ جاتے۔ ان میں سے کسی کو روٹی کا ایک ٹکڑا بھی ملتا تو مجھے دے دیتا۔ اسے ہاتھ نہیں لگاتا تھا۔ اس سے مجھے شرم سی محسوس ہوتی تھی (ابن ہشام، سیرۃ النبی، ج ۲، ص ۲۸۸)۔

یہ جنگ بدر کے قیدیوں کا ذکر ہے۔ دیگر قیدیوں کے ساتھ بھی یہی مہذب اور شریفانہ رویہ اختیار کیا گیا۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قیدی لایا جاتا، تو آپ ﷺ اسے کسی مسلمان کے حوالے کر دیتے اور فرماتے کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ یہ قیدی اس کے پاس دو تین دن رہتا اور وہ (مسلمان) اس کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دیتا تھا" (زمخشری: الکشاف، ج ۴، ص ۱۹۴)۔

جنگ بدر کے قیدیوں ہی کے سلسلے کا واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اجازت ہو تو میں سہیل بن عمرو کے اگلے دانت توڑ دوں تاکہ اس کی زبان باہر نکل آئے، اور وہ پھر کبھی آپ ﷺ کے خلاف اپنی خطابت کا مظاہرہ نہ کر سکے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں (اس طرح کی) سزا دوں تو اللہ مجھے بھی ایسی سزا دے سکتا ہے، گو کہ میں نبی ہوں۔ ایک اور روایت میں ہے: ممکن ہے کہ کل وہ کسی ایسی حیثیت میں ہو جو تمہارے لیے ناگوار نہ ہو [یعنی مسلمان ہو] (ابن ہشام، ج ۲، ص ۲۹۳)۔

اس میں شک نہیں کہ موجودہ دور میں ملکی قیدیوں اور قید خانوں کے متعلق قوانین میں اصلاحات

ہوئی ہیں' جنگی قیدیوں کے بارے میں بھی بعض بنیادی اصول تسلیم کیے جاتے ہیں۔ لیکن ان اصلاحات اور قوانین کا تعلق ریاست سے ہے' عوام ان سے غیر متعلق رہتے ہیں اور انھیں ان سے دلچسپی نہیں پیدا ہوتی۔ اسلام نے ریاست کے ساتھ اس کے ایک ایک فرد میں قیدیوں سے ہمدردی کے جذبات پیدا کیے۔ اس کے نتیجے میں تاریخ نے یہ کارنامہ دیکھا کہ جو قوم اسلام کے ماننے والوں سے بر سرپیکار تھی' اور جو انھیں ختم کرنے اور مٹانے کے درپے تھے' اس کے افراد جب میدان جنگ سے گرفتار ہو کر آئے' تو انھوں نے خود تکلیف اٹھا کر ان قیدیوں کو راحت پہنچائی' خود بھوکے رہے یا روکھا سوکھا کھایا اور انھیں اچھا کھلایا پلایا' ان کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر مقدم رکھا۔ ان کی یہ ساری خدمت بے لوث اور بے غرض تھی۔ وہ نام و نمود نہیں چاہتے تھے' انھیں کسی صلہ کی تمنا نہ تھی' ان کے سامنے صرف اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی تھی' وہ جو کچھ کرتے تھے' اسی کے لیے کرتے تھے۔

اس طرح اسلام نے بتایا کہ غیر ملکی اور دشمنوں کی صف سے گرفتار ہونے والے جنگی قیدی بھی بہتر سلوک کے مستحق ہیں۔ ان کے ساتھ غیر انسانی رویہ اختیار کرنا اور انھیں اذیت پہنچانا ناروا ہے۔ وہ گو دشمن ہیں' لیکن انسان ہیں۔ جب وہ اپنے حقوق حاصل کرنے میں آزاد نہیں ہیں تو ان کے انسانی حقوق کا احترام ہمارا فرض ہے۔ ریاست کو یہ حق بھی ہے کہ اگر اس کے مفادات کو نقصان پہنچنے کا خطرہ نہ ہو تو فدیہ لے کر' یا بغیر فدیے کے انھیں آزاد کر دے۔ یہ سب باتیں اسلام کے قوانین جنگ کا ایک حصہ ہیں۔ ان سے دنیا نے جنگ و صلح کے بین الاقوامی اصول و آداب سیکھے اور بہت سی اصلاحات کیں۔ یہاں تو دشمن کے قیدیوں کے ساتھ اس حسن سلوک کا ذکر ہوا ہے جس کی اسلام نے تعلیم دی اور جس کا عملی نمونہ اس کے ماننے والوں نے پیش کیا۔

بعض لوگوں نے سورہ دہر کی آیت کا تعلق مسلمان قیدیوں سے بھی جوڑا ہے۔ ظاہر ہے دشمن اور غیر ملکی قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کا جو نمونہ پیش کیا گیا ہے' مسلمان قیدیوں کے سلسلے میں اس سے بہتر رویے ہی کی توقع کی جا سکتی ہے۔ قتادہ کہتے ہیں: "اس وقت ان کے قیدی مشرک تھے (اور ان کے ساتھ یہ حسن سلوک رہا)' تمھارا بھائی جو مسلم ہے وہ تو اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اسے کھلاؤ پلاؤ اور اس کی ضروریات کا خیال رکھو" (الکشاف' ج ۴' ص ۱۹۷)۔

مسجد قبلتین

پروفیسر عبدالرحمن عبد

(ایک اہم مقام نبی ؐ اور واقعہ تحویل کے حوالے سے ممکنہ یہود و مسلم آویزش پر دعوت فکر)

دو قبلوں کا سنگم

مدینہ منورہ میں 'مسجد نبوی ؐ سے قریباً تین چار کلو میٹر شمال مغرب کی جانب 'اہم وادی عقیق میں واقع مسجد قبلتین کے قریب پہنچے' تو ڈرائیور نے ٹیکسی کی رفتار کم کر دی' اور اسے دائیں جانب ایک طرف کر کے روک دیا۔ ہم سب دوست اترے' اور اندر جانے سے پہلے چند لمحوں کے لیے رک کر اس مقام محمدی ؐ کا بابرکت نظارہ کرنے لگے جہاں حال ہی میں سعودی حکومت نے ایک مثلث نما قطعہ ارضی پر قدیم و سادہ مسجد کی جگہ جدید 'عمدہ اور کشادہ مسجد تعمیر کی ہے۔ پہلی نظر میں ہم نے اس کے دو میناروں کے ساتھ دو گنبد دیکھے' تو حافظ امیر علی صاحب نے توجہ دلائی:

''ان گنبدوں اور میناروں کی تعداد کے دو ہونے کی وجہ ظاہر و باہر ہے کہ یہ مقام امت مسلمہ کے دو قبلوں کا سنگم ہے۔ اس مقام کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ عین اس جگہ ایک خاص حکم ایزدی نازل ہوا تھا کہ اب اہل ایمان تم نماز کے لیے دن میں پانچ مرتبہ 'پہلے قبلہ بیت المقدس کی بجائے اپنا رخ اب ابدی قبلہ بیت اللہ شریف کی طرف کرنا۔ اس فرمان الہی کی بنا پر یہ جگہ ایک عام سی مسجد نہیں رہتی ہے۔ یہ مقام امت مسلمہ اور حضور رسالتماب ؐ کے لیے گویا اولین ''قبلہ نما'' ہے' جہاں سے امت مسلمہ کی گاڑی ایک نئے اور ابدی قبلہ کی شاہراہ پر مڑ گئی۔ اس لیے یہ زیارت گاہ اہل عزم و ہمت اور اہل قلب و سلوک ہے' اور زیارت گاہ جذب و جنون ہے''۔

میں نے حیات النبی ؐ کے اس اہم اور پائندہ نشان کو دائیں سے بائیں غور سے دیکھا' اور آنکھوں کے راستے اسے دل کے دامن میں سمیٹنے کی کوشش کی۔ اس وقت ہماری آنکھوں کے سامنے جو منظر تھا' اسے ڈاکٹر خالد عباس نے ہماری رہنمائی کے لیے محفوظ کر دیا ہے۔ انہوں نے پیار سے طبع کی ہوئی

کتاب مدینہ النبی کل اور آج کو ہدیہ عقیدت بنا دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "سڑک کے ساتھ والی جانب ۸۳ میٹر لمبی ہے' جنوبی سمت ۹۵ میٹر' اور غربی سمت ۸۲ میٹر ہے۔ سڑک کی سطح قدرتی طور پر بلند ہے' اس لیے مسجد کا صحن اس کی زمینی منزل کی چھت پر بنایا گیا ہے۔ زمینی منزل پر خوش وضع اور دیدہ زیب ۸۰ وضو خانے ہیں۔ سامنے باغیچے میں کھجور کے درخت لگے ہوئے ہیں۔ سڑک کی جانب سے سیڑھیاں اور ڈھلوان نما راستے مسجد کے تمام اطراف سے نیچے اترتے ہیں۔ صحن کا رقبہ ۱۱۶۰ مربع میٹر ہے' اور اس میں دو ہزار افراد کے نماز پڑھنے کی گنجائش ہے۔ پہلی منزل پر گیلری کا رقبہ ۴۰۰ میٹر ہے' جو خواتین کے نماز پڑھنے کے لیے ہے۔ مسجد کی جدید کشادہ اور خوبصورت عمارت سے ملحق' امام صاحب' موذن اور چوکیدار کی رہایش گاہیں بھی بنائی گئی ہیں"۔

خالد عباس خوش نصیب پاکستانی ہیں کہ وہ بن لادن کمپنی میں معالج ہیں۔ اس کمپنی کو حرمین شریفین کی توسیع و تعمیر کا عظیم اعزاز حاصل ہے۔ ڈاکٹر خالد صاحب نے مسجد قبلتین کے میناروں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: "مینار بہت خوبصورت ہیں۔ روشنی میں ڈھلے ہوئے مینار ایسے لگتے ہیں جیسے ماہ و انجم کی روشنی کا منبع بھی یہی مینار ہوں۔ تقدیس الٰہی میں مصروف یہ بلند و بالا روشن مینار دیکھ کر ایمان تازہ ہو جاتا ہے' اور دل بے اختیار سبحان اللہ پکار اٹھتا ہے۔ مسجد کے اندر اور باہر روشنی کا انتظام ایک جامع منصوبے کے تحت کیا گیا ہے۔ روشنیاں متوازی شکل میں تقسیم کی گئی ہیں۔ اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ روشنی ایک خاص توازن اور یکسانیت کے ساتھ ہر سمت پھیلی ہوئی ہو۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ کسی ایک طرف کی روشنی مدھم ہو جائے"۔

ڈاکٹر صاحب موصوف نے نظر نواز کتاب میں مسجد قبلتین کی جدید توسیع کی تفصیلات دی ہیں جس سے اس مقام نبوی کی حالیہ کیفیت کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "تاریخ میں سب سے زیادہ توسیع خادم الحرمین شریفین ملک فہد بن عبدالعزیز کے دور میں ہوئی ہے۔ روشنی سے باوضو' نور بکھیرتی ہوئی یہ مسجد' خصوصاً رات کے وقت وہ سماں پیدا کرتی ہے کہ آنکھیں ہی نہیں' روح تک بھی منور ہو جاتی ہے۔ توسیع کے بعد مسجد کا مجموعی رقبہ ۳۹۲۰ مربع میٹر ہو گیا ہے' جبکہ پرانی مسجد کا رقبہ ۴۲۵ مربع میٹر تھا"۔

بن لادن کمپنی نے اس عظیم الشان منصوبے کو تندہی' جانفشانی اور مہارت سے مکمل کیا ہے۔ مسجد کی تعمیری منصوبہ بندی کے لیے اسلامی فن تعمیر اور عصر حاضر کے عظیم آرکیٹکٹ' انجینئر ڈاکٹر عبدالواحد الوکیل کی خدمات حاصل کی گئیں۔ مسجد کی تعمیر میں مٹی کی پکی ہوئی مختلف سائز کی سوراخ دار سرخ اینٹیں استعمال کی گئی ہیں۔ ان اینٹوں کی مجموعی تعداد ۲۱ لاکھ سے زیادہ ہے اور انھیں مدینہ منورہ

ہی میں تیار کیا گیا ہے۔ مسجد کی دیواروں، ستونوں، قبوں، بالائی کمانوں اور مسجد تک جانے والے تمام راستوں میں یہی اینٹیں استعمال کی گئی ہیں۔ مسجد کی دیرپائی اور رطوبت سے بچاؤ کے پیش نظر تہرا پلستر کیا گیا ہے، تاکہ مستقبل میں ہونے والی پیچیدگیوں کا ازالہ ممکن ہو سکے۔ پلستر کیے گئے حصے کا مجموعی رقبہ ۴۲ ہزار مربع میٹر ہے۔ پالش اور پچی کاری کے لیے مسجد کے تین جانب سفید رنگ استعمال کیا گیا ہے اور اس مقصد کے لیے پوری دنیا میں تیار ہونے والی نفیس ترین پالش کا انتخاب کیا گیا ہے۔ چھت کا رنگ اینٹ ہی کی رنگت کا ہے جو ایک خاص تاثر دیتا ہے۔ پیتل کی بندشیں دور قدیم کے نقش و نگار کی تاریخی چھاپ لیے ہوئے ہیں، جس نے مسجد کو جدید اور قدیم کی رونق و شوکت عطا کر دی ہے"۔

نشان محراب قبلہ اوّل

ہم مسجد میں داخل ہونے لگے تو صاحبزادہ عابد حسن نے یہ کہہ کر ٹوکا: "ادب کے ساتھ داخل ہوں"۔ اور پھر خود ہی اس کی وضاحت کی: "اس مسجد قبلتین کی طرح اس شہر محبت 'مدینۃ الرسول' میں، اور پورے حجاز مقدس میں کئی مقامات اور مساجد موجود ہیں، جو مساجد ہونے کی وجہ سے بنیادی طور پر بے شک اللہ کے گھر ہیں، تاہم یہ مقامات 'جادۂ حیات رسول ؐ کے سنگ ہائے میل بھی ہیں۔ یہ مقامات النبی ؐ، سیرت الرسول ؐ کے امین بھی ہیں۔ ان مقامات محمدی ؐ کی فضیلت 'مسجد نبوی کی طرح دوہری ہے۔ آپ نے دیکھا ہے کہ مسجد نبوی میں سورۂ الحجرات کی 'ادب نبی سکھانے والی' وہ آیہ مبارک مرقوم ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ نبی ؐ کے سامنے اپنی آوازوں کو پست رکھو۔ میرے خیال میں اہل ایمان کو یہاں بھی اس حکم کو اور احترام نبی کو ملحوظ رکھنا چاہیے"۔

ہم ان کے خیال سے اتفاق کرتے ہوئے ادب سے مسجد میں داخل ہوئے۔ یہاں اس وقت رنگ برنگی اور کثیر روشنیوں سے عجیب روح پرور سماں بنا ہوا تھا۔ مسجد میں چاروں جانب خوبصورت ڈیزائن والے دبیز اور شاندار قالین بچھے ہوئے تھے کہ پاؤں کے نیچے نرمی اور لطف 'حریر و پرنیاں' کا احساس ہو رہا تھا۔ مسجد میں ستونوں پر بنی ہوئی محرابی کمانوں کا دلنواز سلسلہ قائم ہے۔ ان محرابوں کو بھی ایسے دلکش نقش و نگار سے آراستہ کیا گیا ہے جو دل موہ لیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ معجزۂ فن، مراکش کے ماہر نقاشوں اور ہنرمندوں کی محنت کا ثمر ہے۔ مسجد کے تعمیری منصوبے اور اس کی تکمیل میں اسلامی فن تعمیر کی روح کو سمو دیا گیا ہے، جو زائرین اور ناظرین کے دلوں کو مسحور کر دیتی ہے۔ سنگ مرمر اور دوسرا قیمتی پتھر بکثرت استعمال ہوا ہے، جن کا رقبہ ۹ ہزار مربع میٹر ہے، جس کی ترتیب و ترکیب نے مل کر اسلامی فن تعمیر کو اجاگر کیا ہے۔

ہم نے تحیۃ المسجد کے دو، دو نوافل ادا کیے، دعائیں مانگیں، پھر میاں ثناء اللہ ہمیں قبلہ کی مخالف

سمت یعنی شمال کی طرف لے چلے۔ سامنے کی کشادہ دیوار میں ایک جائے نماز کی صورت میں بنے ہوئے نشان کی طرف اشارہ کیا اور کہا "نشان محراب قبلہ اول 'بیت المقدس'"۔

میرے دل میں آئی کہ اس وقت ہم جس جگہ کھڑے ہیں' اسی جگہ ۵ رجب ۲ ھ کو حضور رسالتمآب ؐ ظہر کی نماز کی امامت فرما رہے تھے کہ جبریل امین حکم الٰہی لے کر آئے' اور حضور ؐ نے' اور ان کی اقتدا میں اہل ایمان نے 'بیت المقدس کی بجائے اپنا رخ بیت اللہ شریف کی طرف کر لیا تھا۔

منہ طرف مسجد قبلتین کے

میاں ثناء اللہ صاحب نے کہا: "اتفاق دیکھیے کہ آج صبح سورۂ بقرہ کے رکوع ۱۶ کی تفہیم پڑھ رہا تھا۔ اس کے مضامین نے کشتی فکر رواں کر دی کہ یہ مسجد تو ارض مدینہ کا وہ خاص الخاص ٹکڑا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اب مسلمان اپنا رخ بیت اللہ شریف کی طرف کر لیں۔ اس چھوٹے سے حکم سے مسلمانوں کے قبلہ کی طرف سمت ہی نہیں' ان کا زاویہ نگاہ بھی بالکل بدل کے رکھ دیا تھا۔ اس عظیم واقعے سے احکام الٰہی میں ایک انقلابی پیش رفت ہوئی تھی۔ کئی صدیوں سے امت بنی اسرائیل کے سر پر دستار فضیلت رکھی ہوئی تھی۔ اب اس کا زمانہ لد گیا تھا۔ اس لیے اس سے اب یہ فضیلت واپس لے لی گئی اور یہ دستار امت مسلمہ کے سر پر سجا دی گئی تھی۔ پھر نئے سرے سے امامت کو ابوالانبیا خلیل اللہ کے گھرانے میں دے دیا گیا تھا"۔

حافظ امیر علی صاحب نے کہا: "بنو اسرائیل کی امامت دنیا ختم کرنے اور ان کی بجائے مسلمانوں کو مقام فضیلت پر فائز کیے جانے کا واقعہ اتنا اہم تھا' اور باری تعالیٰ کی نگاہوں میں عالمی نقطہ انقلاب تھا' کہ دوسرے پارہ د [illegible] ن کا آغاز اسی واقعے کے ذکر سے ہوا ہے"۔

دو روز پہلے ہی ہم اس مقام محمدی ؐ کو دیکھنے کے لیے آئے تھے۔ ٹیکسی والے نے ہمیں مدینہ منورہ کی ساری زیارات دو گھنٹے میں دکھا کر فارغ کر دیا تھا۔ ہم نے یہ مسجد قبلتین بھی پانچ منٹ میں دیکھ لی تھی' جو عہد رسالتمآب ؐ میں قبیلہ بنو سلمہ کی مسجد تھی۔

جب میاں ثناء اللہ صاحب کو زیارات مدینہ کے ہمارے اس مختصر سفر کا علم ہوا تو انھوں نے جھٹ سوال کیا "کیا آپ نے مسجد قبلتین کی واقعی زیارت کی ہے؟" اثبات میں میرے جواب کو انھوں نے نظرانداز کر دیا' اور "تبسمے بہ لب او رسید و ہیچ نگفت" کے مصداق 'نیم مسکراہٹ اور خاموشی سے رسید دی' اور کچھ نہ بولے۔ پھر ایک چھوٹے سے وقفے سے کہنے لگے: "آپ نے زیارت نہیں کی۔ مسجد قبلتین کو صرف ظاہر کی آنکھ سے دیکھا ہے۔ محض دیکھنا اور مشاہدہ کرنا ایک بات ہے۔ بنظر غائر دیکھنا' دل کی آنکھ سے دیکھنا اور دل میں بسا لینا قطعی دوسری بات ہے۔ پانچ منٹ میں اس مقام

رسالتمآب ؐ پر صرف اچٹتی نگاہ ڈالنا تو گویا پروکسی بول کر حاضری لگوانا ہے۔ اس طرح درس مقام محمدی ؐ اور سبق سیرت النبی ؐ نہیں لیا جا سکتا ہے۔ بھئی مسجد قبلتین تو خاص الخاص مقام ہے جہاں امت مسلمہ کو باری تعالیٰ نے دونوں جہانوں پر فضیلت سے سرفراز کیا' اسے امت وسط قرار دیا اور اسے اقوام عالم میں صدر نشین بنایا۔ یہ بظاہر سادہ سا مقام دراصل امت مسلمہ کی سرفرازی کا پائندہ نشان ہے"۔

پروفیسر رفیق کلیم صاحب نے ان کی تائید کرتے ہوئے کہا "ہمیں مقامات النبی ؐ پر عام زائر کی طرح بس نظرے خوش گذرے کے لیے نہیں جانا چاہیے۔ اس کی بجائے سیرت النبی ؐ کے طالب علم بن کر جانا چاہیے۔ تلاش و تحقیق کرنے والے محقق کی طرح اور جستجو و آرزو کرنے والے طالب علم کی طرح مقامات الرسول ؐ پر جانا چاہیے کہ ؎ علم و حکمت کشف اسرار است و بس حکمت بے جستجو خوار است و بس"۔

میاں ثناء اللہ صاحب نے کہا: "بلکہ اگر یہ بات فتوے کی زد میں نہ آئے تو میں کہوں گا کہ جس طرح ہم نماز کی نیت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ منہ طرف کعبہ شریف کے' واسطے اللہ تعالیٰ کے' ہمارا حال بھی قریباً ایسے ہی ہونا چاہیے کہ ہم گھروں سے گویا یہ نیت کر کے نکلیں' منہ طرف مسجد قبلتین کے' واسطے تذکرہ مقام رسالتمآب ؐ کے' برائے اعادۂ سبق تحویل قبلہ اور بر مقام تحویل قبلہ' بنیاد گاہ امت مسلمہ"۔

بیت الحرام گویا حبل اللہ ہے

چنانچہ آج ہم اجمالی نظر ڈالنے کی بجائے اس مقام نبی ؐ کو تحقیقی نظر سے دیکھنے اور بالاستیعاب پڑھنے کے لیے نکلے' تو بھی طالب علم بن کر چلے۔ ہم نے زبان سے یہ فقرہ بے شک ادا نہیں کیا تھا کہ ' منہ طرف مسجد قبلتین کے' تاہم علم و آگہی کے ہتھیاروں سے ہم پوری طرح مسلح تھے۔ یعنی ہمارے پاس اپنے موضوع سے متعلق نوٹس اور کتب تھیں۔ صاحبزادہ عابد حسن کے پاس صلاح محمد کربتہ کی دلیل الزائر اور محمد عالی محمد امین الشنقیطی کی کتاب دار النعمین تھیں۔ میاں ثناء اللہ کے پاس محمد معراج الاسلام کی کتاب مسجد نبوی: تاریخ' اور قاضی سلیمان منصور پوری کی تاریخ حرمین تھیں۔ میرے پاس ڈاکٹر خالد عباس الاسدی کی خوبصورت' معلوماتی اور جدید کتاب مدینۃ النبی ' کل او رآج تھی۔ یہ کتاب مجھے نوجوان زاہد سرور قادری نے اسلام آباد میں دی تھی' جنھیں مدینہ منورہ کے بارے میں کتابیں جمع کرنے کا قابل رشک شوق ہے۔

پروفیسر رفیق کلیم صاحب کی گفتگو حسب معمول پیامبر امید' علامہ اقبال کے افکار عالی کے حکیمانہ حوالوں کے ساتھ تھی:

"مسجد قبلتین ملت اسلامیہ کے لیے بمنزلہ سنگ بنیاد ہے کہ یہاں بیت اللہ شریف کو اس امت کے لیے ابدی حرم قرار دیا گیا تھا۔ حرم تو گویا حبل اللہ ہے۔ اللہ کی اس رسی کو مضبوطی سے تھامے رہنے سے امت مسلمہ میں "نہ تورانی رہے باقی نہ افغانی نہ ایرانی" والی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ قبیلے قومیں ' ذات برادریاں اور اونچ نیچ ختم ہو جاتی ہے۔ پوری ملت 'جسد واحد 'مضبوط و استوار اور توانا و پایدار ہو جاتی ہے۔

"حرم کا راز توحید امم ہے۔ قدسی مقال علامہ اقبال نے رموز بے خودی میں 'بیت الحرام' کے عنوان سے بتایا ہے کہ اجتماعی حیات ایک مرکز محسوس کی متقاضی ہے۔ وہ اسی مرکز پر مرتکز ہوتی ہے تو قوم وجود میں آ جاتی ہے۔ افراد قوم کے درمیان مرکز کی وجہ سے ہی ضبط و نظم پیدا ہوتا ہے۔ "قوم را ربط و نظام از مرکزے ' روزگارش را دوام از مرکزے" اور ہماری ملت اسلامیہ کے لیے یہ مرکز محسوس 'بیت الحرام ہے جسے اس مسجد قبلتین میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے متعین اور مقرر کر دیا گیا ہے"۔

پھر انھوں نے کہا: "ہمارا مرکز و محور بیت الحرام ہے ' اسی کی بدولت ہم پوری دنیا میں سو کروڑ یعنی ایک بلین ہونے کے باوجود یک جان 'یکسو اور یک زبان ہیں 'سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ اس حرم و مرکز سے وابستگی پیدا کریں۔ خدا کے سچے بندے بنیں۔ اسی حرم (بیت اللہ) کے طواف سے ہم قائم و دائم ہیں۔ تو ز پیوند حریمے زندۂ 'تا طواف او کنی پائندۂ۔ دائرے کے لیے مرکز کی حیثیت وہی ہے جو جسم کے لیے جان کی ہے۔ دائرے کا پورا خط اس کے درمیانی نقطے یعنی مرکز میں سمٹا ہوا ہوتا ہے۔ ہم نے جیسے کو اس طرح اپنے درمیان تھامے ہوئے ہیں جس طرح سینے نے سانس کو اپنے اندر سمویا ہوا ہوتا ہے۔ حرم کعبہ ہماری جان شیریں ہے اور ہم اس کا جسم ہیں۔ اس دنیا میں جمعیت کو قوموں کی جان سمجھا جاتا ہے۔ جب تک جمعیت نہ ہو قومیں وجود میں نہیں آ سکتی ہیں۔ اے مسلمان ' آنکھیں کھول کر دیکھ۔ حرم کعبہ تیری جمعیت کا راز ہے 'یعنی اس پر تیری جمعیت موقوف ہے"۔

ان افکار عالیہ اور اشعار کے مطالب سے آگاہ کرنے کے بعد کلیم صاحب نے شاعر شیریں زبان ' رنگیں بیاں کے اصل اشعار سنائے تو یوں لگا جیسے آنکھوں کے سامنے سے کئی پردے ہٹ گئے ہیں ' واقعی علامہ اقبال 'نغمہ ہائش از ضمیر کن فکاں ہیں ' وہ فرماتے ہیں ؂

حلقہ را مرکز چو جاں در پیکر است   خط او در نقطہ او مضمر است

چوں نفس در سینہ او پروریم   جان شیرین است او ما پیکریم

در جہاں جان امم جمعیت است   در نگر سر حرم جمعیت است

تحویل قبلہ

ہم سب دوست 'نشان قبلہ اول سے ہٹ کر' محراب مسجد کے قریب آکر' قالین پر بیٹھ گئے۔

صاحبزادہ عابد حسن نے کہا: "تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا تو کچھ کج فہم لوگوں نے اس پر اعتراض کیا۔ ان کے دماغ تنگ اور نظر محدود تھی۔ خدائے لامکاں کے بارے میں ان کا گمان یہ تھا کہ وہ بھی شاید کسی خاص سمت میں موجود و مقید ہے۔ اس لیے سب سے پہلے انھیں حقیقت کائنات سے آگاہ کیا گیا' ان کے اعتراض کو ختم کیا گیا' اور بتایا گیا کہ مشرق اور مغرب سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ کسی سمت کو قبلہ بنانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ بس اسی ایک طرف ہے۔ جن لوگوں کو اللہ نے ایمان کی دولت ودیعت کی ہے' وہ اس قسم کی تنگ نظری اور کج فہمی سے دور ہوتے ہیں۔ اللہ ہر جگہ' ہر سمت اور ہر ذرے میں موجود اور جلوہ افروز ہے"۔

جمیل انجم صاحب نے کہا: "حکیم الامت نے بندۂ رحمان کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ ایک حد تک اللہ تعالیٰ کے بارے میں بھی کہا جاسکتا ہے کیونکہ مرد مومن بھی گویا صفات الٰہی کی ارضی تجسیم ہے۔ جس طرح مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے اور مومن کا مقام ہر کہیں ہے جیسا یہ جبریل امیں بندۂ خاکی ہے' اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشاں۔ اسی طرح اللہ بھی کسی خاص مقام اور سمت میں متعین و مقید نہیں ہے۔ سب مقام اور سب سمتیں اسی کی ہیں۔ شش جہات اللہ کی ہیں۔ وہ رب المشرقین و رب المغربین ہے۔ فبای الاء ربکما تکذبن"۔

حافظ امیر علی نے کہا: "حکم تحویل قبلہ والی آیت [البقرہ- ۱۱۵] میں یہی فرمایا گیا ہے کہ تم جدھر کو بھی رخ کرو' اللہ تعالیٰ کو پاؤ گے' وہ واسع اور علیم ہے۔ سید مودودی ؒ نے تفہیم القرآن میں اس آیت کی وضاحت میں لکھا ہے: "مشرق و مغرب سب اللہ کے ہیں۔ وہ تمام سمتوں اور مقاموں کا مالک ہے مگر خود کسی سمت یا مقام میں مقید نہیں ہے۔ لہٰذا اس کی عبادت کے لیے کسی سمت یا مقام کو مقرر کرنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اللہ وہاں یا اس طرف رہتا ہے' اور نہ یہ کوئی جھگڑے اور بحث کرنے کے قابل بات ہے کہ پہلے تم وہاں یا اس طرف عبادت کرتے تھے' اب تم نے اس جگہ یا سمت کو کیوں بدل دیا"۔

حافظ امیر علی صاحب نے چند آیات لحن کے ساتھ پڑھیں اور پھر گویا ہوئے: "یہ سورۂ البقرہ کی آیات ۱۴۳ تا ۱۵۲ ہیں جو میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہیں۔ ان کی خاص بات یہ ہے کہ یہ آیات مبارکہ حضور رسالتمآب ؐ پر عین اس مقام پر نازل ہوئی تھیں۔ جہاں اس وقت بیٹھنے کی سعادت ہمیں حاصل ہو رہی ہے۔ یہ غزوۂ بدر سے صرف ڈیڑھ دو ماہ پہلے کا واقعہ ہے۔ ابن سعد نے روایت کیا ہے

کہ تحویل کعبہ کا حکم رجب یا شعبان ۲ ھ میں نازل ہوا تھا۔ عہد رسالت میں یہاں قبیلہ بنو سلمہ کے لوگ آباد تھے۔ اس قبیلہ کی ایک مسلمان خاتون [دوسری روایت میں بشر بن براء بن معرور] ام بشر بیمار تھیں۔ حضورؐ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ آپؐ کے لیے کھانے کا انتظام کیا گیا۔ ام بشر پوچھنے لگیں کہ مومنوں اور کافروں کی روحوں کا کیا انجام ہو گا۔ اس اثنا میں نماز ظہر کا وقت ہوا تو آپؐ صحابہ کرامؓ کو نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے۔ پوری جماعت کا رخ مدینہ منورہ سے شمال کی جانب بیت المقدس کی طرف تھا۔ دو رکعتیں ختم ہوئیں تو آپؐ تیسری رکعت پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے کہ جبریل امین تشریف لے آئے اور انھوں نے حضورؐ پر وحی کے ذریعے یہ آیات نازل کیں جو میں نے ابھی آپ کے سامنے پڑھی ہیں"۔

پھر انھوں نے کہا: "اسی آن حضورؐ اور ان کی اقتدا میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے والے صحابہ کرامؓ نے رخ پھیرا، اور شمال میں بیت المقدس کی بجائے قریباً جنوب میں مکہ معظمہ کی طرف رخ کر لیا اور باقی نماز مکمل کی۔ اس کے فوراً بعد حضورؐ نے کچھ صحابہ کرامؓ کو مامور کیا۔ انھوں نے پورے مدینہ شہر اور اس کے گردونواح میں عام منادی کرا دی کہ اے اہل ایمان، حکم الٰہی آگیا ہے، اس کی رو سے اب ہمارا قبلہ و کعبہ 'بیت اللہ شریف' کو مقرر کیا گیا ہے، آیندہ سے نماز کے لیے اسی کی طرف رخ کیا جائے۔ فول وجھک شطر المسجد الحرام۔ حضرت انسؓ بن مالک کہتے ہیں کہ بنی سلمہ میں یہ اطلاع دوسرے روز صبح کی نماز کے وقت پہنچی۔ لوگ ایک رکعت پڑھ چکے تھے کہ ان کے کانوں میں آواز پڑی، 'خبردار رہو قبلہ بدل کر کعبے کی طرف کر دیا گیا ہے'۔ یہ سنتے ہی پوری جماعت نے اپنا رخ بدل لیا۔ براء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ ایک جگہ منادی کی آواز اس حالت میں پہنچی کہ لوگ رکوع میں تھے۔ حکم سنتے ہی سب نے اسی حالت میں کعبے کی طرف منہ پھیر لیا"۔

میں حسب معمول طالب علم تھا، پوچھا: "عہد رسالت مآبؐ میں یہ مسجد بنو سلمہ کے قبیلے کی تھی جس میں سب سے پہلے قبلہ تبدیل کیا گیا، پھر آپ اس سے متضاد روایت بیان فرما رہے ہیں کہ اسی بنو سلمہ میں یہ اطلاع دوسرے روز صبح کی نماز کے وقت پہنچی۔ پھر یہ ظہر کی نماز تھی جس میں امام بلند آواز سے قرات نہیں کرتا ہے۔ آپ بتا رہے ہیں کہ حضورؐ پر نماز کے دوران وحی نازل ہوئی جسے آپؐ نے پڑھا تو اس حکم الٰہی کے مطابق تیسری رکعت میں ہی پوری جماعت نے اپنا رخ بدل لیا، تو کیا حضورؐ نے اس وحی کو اپنے مقتدیوں کی سماعت کے لیے اونچی آواز میں پڑھا؟ اور جب حضورؐ پر یہ وحی نازل ہو رہی تھی، کیا صحابہ کرامؓ نے محسوس کیا کہ رکعت معمول سے طویل تر ہو گئی ہے؟ حضورؐ نے اپنی جگہ پر کھڑے کھڑے شمال سے جنوب کی طرف رخ پھیرا اور مقتدی صحابہ کرامؓ نے ہاتھ

باندھے باندھے اپنی قطار ان کے پیچھے استوار کر لی ہوگی؟ یا اس کے برعکس حضورؐ بھی نماز کی حالت میں چند قدم چل کر جنوب کی طرف آئے ہوں گے؟ اور تحویل قبلہ والا یہ خطبہ وحی جو اس وقت یہاں نازل ہوا' کتنے رکوعوں پر مشتمل تھا' یعنی کتنا طویل تھا؟"

خدا بندے سے خود پوچھے

میرا خیال تھا کوئی صاحب میرے اٹھائے ہوئے سوالوں کا جواب دیں گے' لیکن حافظ امیر علی صاحب نے کہا کہ وہ ہمیں دوسرے سیپارے کی دوسری آیت سناتے ہیں۔ انھوں نے اس آیت کی تحت اللفظ ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کی اور کہا: "اس کا مطلب ہے کہ بیت المقدس کی بجائے بیت اللہ کو قبلہ بنانے سے ترجیحات ایزدی میں تبدیلی آئی ہے۔ اب مکہ معظمہ کی عظمت پھر سے بحال کر دی گئی ہے۔ بنو اسرائیل کو شہادت حق کی عظیم ذمہ داری سونپی گئی تھی' اب یہ منصب اور فضیلت امت مسلمہ کو سونپی جا رہی ہے تاکہ اے مسلمانو' تم پوری دنیا کے انسانوں کو ہدایت الٰہی پہنچا کر اس امر کے گواہ بنو اور یہ رسول' یعنی محمد مصطفیٰؐ تمھیں احکامات ایزدی پہنچا کر شہادت حق کا فریضہ انجام دیں"۔

صاحبزادہ عابد حسن نے کہا: "مدینہ منورہ میں حضورؐ پر مکہ کی نسبت' طویل خطبے اور طویل سورتیں نازل ہوتی تھیں۔ آپ ان مدنی آیات کے ان حصوں پر غور فرمائیں جن میں کہا گیا ہے کہ اے محمدؐ! ہم تمھارے منہ کا آسمان کی طرف بار بار اٹھنا دیکھ رہے ہیں' اور یہ کہ اے میرے رسول' لو ہم تمھیں اسی قبلہ کی طرف پھیرے دیتے ہیں جسے تم پسند کرتے ہو۔ حکم خداوندی کے ان الفاظ سے مترشح ہوتا ہے کہ قبلہ کی اس تبدیلی سے پہلے آپؐ کے دل میں یہ خواہش کروٹیں لیتی رہتی تھی۔ آپ بھی یہ محسوس فرما رہے تھے کہ بنی اسرائیل کی امامت کا زمانہ گزر گیا ہے' اور اس کے ساتھ بیت المقدس کی مرکزیت کا عہد بھی اختتام کو پہنچا۔ اب پھر وقت آ گیا ہے کہ خدا کے بندے' عبادت کے وقت' مرکز ابراہیمی کی طرف رخ کریں۔ یہ مسجد قبلتین گویا آرزوئے رسولؐ کی تکمیل کا نشان ہے"۔

رفیق کلیم صاحب کو حکیم الامت کا حوالہ دینے کا پھر موقع ملا' کہنے لگے: "قدسی مثال کا ایک شعر اپنی ندرت خیال کی بنا پر مقبول خاص و عام ہے' اس لیے کہ اس میں ایک ناممکن بات کو دل نشیں انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ عام لوگوں کے لیے یہ محض شاعرانہ تعلی ہے' لیکن غور کریں تو دنیا میں ایک نادر الوجود مقام ایسا بھی ہے جہاں ایک ناممکن بات ممکن ہو گئی ہے۔ جانتے ہیں' وہ جگہ کہاں ہے؟ جناب عالی' وہ مقام یہ مسجد قبلتین ہے"۔

پھر انھوں نے اپنے دعوے کی دلیل دی اور کہا: "حضور رسالتمآبؐ نے چاہا کہ مسلمانوں کے لیے بیت المقدس کی بجائے بیت اللہ شریف' قبلہ و کعبہ بن جائے تو اللہ تعالیٰ نے اس مقام عالی مقام پر

جبریل امین کے ذریعے فرمان بھیجا اور ارشاد فرمایا: "اے میرے حبیب' ہم نے تمھیں دیکھا ہے کہ تم آرزو بھری نگاہوں سے آسمان کی طرف چہرہ کیے ہوئے ہوتے تھے۔ ہم تمھاری دلی کیفیت سے آگاہ ہیں' لو ہم تمھاری تمنا پوری کیے دیتے ہیں کیونکہ تمھاری رضا ہماری تقدیر ہے۔ فول وجھک شطر المسجد الحرام: اب سے اپنا رخ ہمیشہ کے لیے بیت اللہ شریف اور عزت و حرمت والی مسجد کی طرف کرنا۔ چنانچہ یہ مسجد قبلتین وہ تصدیق گاہ ہے جہاں الرحمن اپنے عبدہ ورسولہ سے خود پوچھتا ہے کہ بتا تیری رضا کیا ہے؟

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

عبرتے اے مسلم روشن ضمیر

صاحبزادہ نے تفہیم القرآن کا حوالہ دیا' اور کہا: "سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۵۰ میں فرمایا گیا ہے کہ اے مسلمانو' تمھیں امت وسط اس لیے بنایا گیا ہے کہ میں تم پر اپنی نعمت مکمل کر دوں' تاکہ تم ہدایت پاؤ۔ یہاں اس نعمت الٰہی کا مطلب ' امامت ' رہنمائی اور پیشوائی کی نعمت اور فضیلت ہے جو یہاں مسجد قبلتین کے مقام پر بنی اسرائیل سے واپس لے لی گئی اور امت مسلمہ کو عنایت کر دی گئی"۔

جمیل انجم صاحب نے کہا: "مسجد قبلتین کے اس خاص مقام پر بنی اسرائیل کو شہادت حق کے عظیم منصب سے معزول کر دیا گیا۔ اس قوم کی پوری تاریخ پر نظر ڈالیں تو یہ نشیب و فراز' پستی و بلندی اور عظمت و عبرت سے عبارت ہے۔ اس قوم کی قبائے تاریخ' قید اور اقتدار' ہجرت اور حکومت کے تار حریر دو رنگ سے بنی ہے۔ 'اولوا الابصار' جو اقوام و قبائل' ممالک و ملل اور ماضی و تاریخ سے سبق لیتے ہیں' کے لیے اس قوم کے عروج و زوال میں خاص عبرت ہے۔

پیکرت دارد اگر جانِ بصیر عبرت از احوالِ اسرائیل گیر

جمیل صاحب کچھ جذباتی ہو گئے' ان کی آواز بھی ذرا بلند ہو گئی: "قدسی مقال نے فرمایا ہے کہ اے روشن ضمیر مسلمان' بنی اسرائیل کے انجام سے سبق حاصل کرو۔ جب اس قوم نے اپنے ہاتھ سے مرکزِ ملت دے دیا' تو ان کا رشتہ جمعیت ٹوٹ گیا اور اس کے جسدِ ملت سے روح اس حد تک ختم ہو گئی کہ ان کی خاک سے اب بیدِ مجنوں تک پیدا نہیں ہوتا ہے۔ ان یہودیوں نے غریب الوطن ہو کر اپنی زبان گم کر دی۔ اب دنیا میں نہ کوئی ان کا ہم نوا ہے اور نہ ہم آشیاں۔ ان کی شمع وحدت بجھ کر رہ گئی ہے۔ پروانہ ان کی نوحہ خوانی کر رہا ہے' اور ان کا افسانہ سن کر میرے جسم و جان پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ علامہ اقبال کے اپنے الفاظ میں کمال کا اثر اور سحر ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

عبرتے اے مسلم روشن ضمیر — از مآل امت موسیٰ بگیر
داد چوں آں قوم مرکز را ز دست — رشتۂ جمعیت ملت شکست
رفت نم از ریشہ ہائے تاک او — بید مجنوں ہم نروید خاک او
از گل غربت زباں گم کردہ — ہم نوا ہم آشیاں گم کردہ
شمع مرد و نوحہ خوان پروانہ اش — مشت خاکم لرزد از افسانہ اش

اس پر صاحبزادہ عابد حسن نے اس قوم کے انبیائے کرام اور سلاطین ذی احتشام کا تذکرہ کیا۔ کارناموں اور برائیوں کا حوالہ دیا۔ جب انھوں نے حضرت یوسف ؑ اور ملک مصر کا ذکر کیا تو میرے ذہن میں دو ہفتے پر مشتمل اپنی سیاحت مصر کی یادیں تازہ ہو گئیں۔ جس میں یہی صاحبزادہ اور میاں شاہ اللہ میرے ہمراہی تھے۔ پھر انھوں نے اس قوم کی فقہی موشگافیوں، مناظرہ بازیوں اور تفرقہ بازیوں پر روشنی ڈالی اور اس قوم کی سود خوری، عصیاں شعاری اور فتنہ پردازی کی تفصیل بتائی۔

روح مسلماں میں ہے آج وہی اضطراب

یہودیوں کی فتنہ پردازی کا سن کر مجھے علامہ اسد کی کتاب روڈ ٹو مکہ یاد آگئی۔ میں نے ذکر کیا کہ ۱۹۲۰ کے عشرے میں ایک یہودی نوجوان صحافی دمشق میں مقیم تھا، اور مسلم معاشرے کی خوبیاں اس کے دل کو فتح کر رہی تھیں کہ اسے ایک پالیسی ساز بزرگ نے یہودی منصوبے سے آگاہ کیا: "دنیا بھر سے لاکر یہودیوں کو فلسطین میں آباد کر دیا جائے گا۔ مقامی ساٹھ لاکھ مسلم فلسطینیوں کو جبر و ظلم سے ملک بدر کر دیا جائے گا۔ فلسطین کو مٹا کر اسرائیلی ریاست قائم کر دی جائے گی"۔

اس ظالمانہ اور شرمناک منصوبے کو جان کر منصف مزاج نوجوان صحافی اپنی یہودی قوم سے متنفر ہو گیا اور بالآخر اس نے اسلام کے دامن رحمت میں پناہ لی، اور ہم انھیں علامہ اسد کے نام سے جانتے ہیں۔ دوسری طرف اس پون صدی میں یہودی فتنے نے نحوس شکل اختیار کر لی ہے۔ یعنی اسرائیلی ریاست کے عفریت نے مشرق وسطی کی مسلمان عرب مملکتوں کے عین سینے پر ایک بدہیئت ہشت پا کی طرح اپنے پنجے گاڑ لیے ہیں۔

میری اس بات پر حکیم صاحب نے جو ریمارکس دیے، وہ مجھے ہی نہیں ہم سب کو یاد ہیں کیونکہ اس میں ایک ناقابل فراموش اور عجیب پیش گوئی ہے۔ وہ کہنے لگے "مشیت ایزدی ہی بہتر جانتی ہے کہ کیا ہو گا۔ ایک طرف یہودیوں نے مذہب کی بنیاد پر اسرائیل کی مملکت بنائی ہے، دوسری طرف لا الٰہ الا اللہ کی اساس پر پاکستان معرض وجود میں آیا ہے۔ دونوں قریباً نصف صدی کے اندر دنیا کے نقشے پر ابھرے ہیں۔ دونوں جوہری توانائی کے اسرار کے آشنا ہیں۔ اسرائیل میں دنیا بھر کے یہودی جمع ہو

رہے ہیں۔ عالمی طاقتیں اور ذرائع ابلاغ ان کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔ دوسری جانب مسلمانوں میں بھی بیداری و باہمی یگانگت اور آگہی و ارتباط پیدا ہو رہا ہے۔ مشرق میں انڈونیشیا اور شمال میں ازبکستان سے لے کر مغرب میں مراکش تک ایک ارب مسلمانوں نے اللہ کی رسی کو تھاما ہوا ہے۔ حرم کی پاسبانی کے لیے نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر مسلمان ایک ہو رہے ہیں اور جہادِ افغانستان نے ثابت کر دیا ہے کہ پاکستان عالم اسلام کا مضبوط قلعہ ہے"۔ (۸ر :۱)

پھر انھوں نے ایک عارف مجذوب کے سے انداز میں ایک عجیب بات کی 'گویا وہ کچھ علم اور خبر رکھتے ہیں' لیکن اس سے زیادہ وہ عشق کی وادی میں ہیں اور خبر سے زیادہ نظر رکھتے ہیں۔ انھوں نے گویا مستقبل میں جھانکتے ہوئے کہا: "مجھے تو یوں لگتا ہے کہ دونوں قوتیں مقابل میں اترنے کے لیے تیاری کے مراحل میں ہیں۔ اب کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔ کیا ہو گا؟ یقین کے ساتھ کہنا مشکل ہے' تاہم "روح مسلماں میں ہے آج وہی اضطراب' راز خدائی ہے یہ کہہ نہیں سکتی زباں"۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ جیسے جنگ عظیم دوم کے سے بڑے پیمانے پر 'یہود و مسلم آویزش کا' ایک زبردست معرکہ برپا ہونے والا ہے۔ دنیا بھر میں یہودی نصف کروڑ بھی نہیں ہیں لیکن وہ یہود' خیبر کی روایت کے مطابق ' اپنی چالاکی اور مکاری سے پوری دنیا کے مشرکوں اور کافروں کے احزاب کو ہم مسلمانوں پر چڑھا لائیں گے۔ ہمیں بھی کوئی 'سلمان فارسی' خندق جدید کی راہ سجھا دے گا۔ آگ اور خون کا ایک لامتناہی سمندر ہو گا۔ شاید یہ اس کرۂ ارض کی آخری اور خوفناک ترین جنگ عظیم ہو گی۔ ابھی کوئی کیا کہہ سکتا ہے؟" دیکھیے اس بحر کی تہ سے اچھلتا ہے کیا' گنبد نیلوفری رنگ بدلتا ہے کیا!' تاہم دنیا کا نقشہ پھر ایک دفعہ زیر و زبر اور تلپٹ ہو کر رہے گا۔ یہودی فتنہ و سازش اور کینہ پروری ختم ہو کر رہے گی اور اسلام و توحید کا علم پھر سے یوں لہرائے گا کہ عہدِ فاروقی کی یاد تازہ ہو جائے گی۔ دانائے راز نے بجا فرمایا تھا کہ

آگ ہے اولادِ ابراہیم ہے نمرود ہے   کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے؟

کلیم صاحب کو میں تو بس دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔ کیا فکر انگیز خیال تھا ان کا اور سونے پر سہاگا دیدہ بانِ ملت ' علامہ اقبال کے اشعار تھے ' جو گفتگو کی انگشتری میں گویا نگینوں کی طرح جڑے ہوئے تھے۔ احزاب اور خندق کا فکر انگیز تطابق تھا۔ ہم سب دوست ان کی حیرت افزا پیش گوئی سے کچھ دیر تک مبہوت سے رہے۔ انھوں نے بات ہی کچھ ایسی کی تھی۔ ان لمحات کے کیف کو میں تادم تحریر محسوس کر رہا ہوں۔

امتِ مسلم ز آیات خدا است

بالآخر ہم خلوتیوں کی یہ سادہ لیکن یادگار مجلس اختتام پذیر ہوئی' تو حافظ امیر علی نے کہا: "جانتے ہیں کہ اس مقام پر امت مسلمہ کے سر پر امت وسط کا تاج فضیلت رکھنے کے بعد اسے سب سے پہلی ہدایت اور حکم کیا دیا گیا تھا؟ یہ تھی صبر، صلوٰۃ کی تلقین و تاکید۔ سید مودودی" نے اس آیت کی تفہیم میں لکھا ہے کہ منصب امامت پر مامور کرنے کے بعد اب اس امت کو ضروری ہدایات دی جا رہی ہیں' مگر تمام دوسری باتوں سے پہلے انھیں جس بات پر متنبہ کیا جا رہا ہے وہ یہ ہے کہ یہ کوئی پھولوں کا بستر نہیں ہے جس پر آپ حضرات لٹائے جا رہے ہیں۔ یہ تو ایک عظیم الشان اور پر خطر خدمت ہے جس کا بار اٹھانے کے ساتھ ہی تم پر ہر قسم کے مصائب کی بارش ہوگی' سخت آزمائشوں میں ڈالے جاؤ گے' طرح طرح کے نقصانات اٹھانے پڑیں گے۔ اور جب صبر و ثبات اور عزم و استقلال کے ساتھ ان تمام مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے خدا کی راہ میں بڑھے جاؤ گے تب تم پر عنایات کی بارش ہوگی"۔

ہم مسجد قبلتین کے باہر کے دروازے پر آگئے تو صاحبزادہ عابد حسن نے کہا: "کسی امت اور قوم کے لیے یہ عظیم ترین اعزاز ہے کہ فرمان الٰہی سے اسے پوری دنیا کا لیڈر' رہنما اور قابلِ تقلید مثال بنا دیا جائے' اسے حکم دیا جائے کہ وہ پورے عالم انسانیت کو نیکی کے فروغ کے لیے حکم دے اور برائی سے بزور قوت روکے۔ جس امت کو یہ منصب دیا گیا اس پر اللہ کے الطاف و انعامات کی تکمیل ہوگئی۔ قبلہ کی تبدیلی کا حکم دراصل اس منصب جلیلہ پر امت مسلمہ کی سرفرازی کا نشان ہے۔ لہٰذا تمھیں شہادت حق کے فرض منصبی کی دل و جان سے ادائگی کرنی چاہیے۔ ایسا کرو گے تو یہ نعمت الٰہی تم پر مکمل کر دی جائے گی اور اگر تم نے بنی اسرائیل کی طرح ناشکری' نافرمانی' تفرقہ بازی اور باہم جدال کی راہ اختیار کی تو کہیں ان کی طرح تم سے بھی یہ منصب نہ چھن جائے"۔

میاں ثناء اللہ صاحب ٹیکسی کو روک رہے تھے' اور جمیل انجم صاحب ہمیں ایک ضروری بات بتا رہے تھے۔ کہنے لگے: "قدسی مقال علامہ اقبال فرماتے ہیں: امت مسلمہ' اللہ تعالیٰ کی آیات عظیمہ میں سے ایک آیت جلیلہ ہے' جس کی بنیاد قالوا بلٰی کے روز رکھی گئی تھی۔ خداوند کریم نے نحن نزلنا ارشاد کر کے قرآن مجید کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے' اور بتایا ہے کہ وہ ابد تک محفوظ رہے گا۔ بالکل اسی طرح امت مسلمہ کے لیے بھی فنا اور اجل نہیں ہے' اس امت کا چراغ کبھی نہیں بجھے گا اور ہمیشہ روشن رہے گا۔

امت مسلم ز آیات خدا ست   اصلش از ہنگامہ قالوا بلیٰ ست
از اجل ایں قوم بے پروا ستے   استوار از نحن نزلنا ستے
تا خدا ان یطفئوا فرمودہ است   از فسردن ایں چراغ آسودہ است

(آنحضور ؐ کے نقشِ قدم پر کا ایک غیر مطبوعہ باب)

سائنسی فکر کا ارتقا

پروفیسر عبدالقدیر سلیم

سقراط اور افلاطون کی تصوّریت

افکارِ مغرب کی تاریخ کی کتابوں میں یونانی فکر کو اکثر ''فلسفہ قبل سقراط'' اور ''فلسفہ مابعد سقراط'' میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ سقراط سے قبل کی فکر کو باقاعدہ منضبط شکل میں کم ہی محفوظ رکھا جا سکا ہے۔ سوچنے، غور کرنے اور نتائجِ فکر کو دنیا کے آگے پیش کرنے والوں کے جستہ جستہ خیالات ہی ملتے ہیں۔ فلسفہ، جو ایک منضبط اور کم و بیش مکمل نظامِ فکر کا نام ہے، سقراط کے ساتھ ہی وجود میں آیا۔ سقراط نے اگرچہ کوئی تحریر نہ چھوڑی، لیکن افلاطون کی صورت میں اُسے ایسا شاگرد مل گیا جس نے اس کے افکار کو رہتی دنیا تک زندہ جاوید بنا دیا۔

سقراط (۳۹۹- ۴۷۰ ق م) ایتھنز کا شہری تھا۔ اگرچہ ڈلفی کے کاہن نے استفسار کرنے والوں کو واضح الفاظ میں بتا دیا تھا کہ وہ اپنے زمانے کا دانا ترین انسان ہے، تاہم اس نے انکساری کے ساتھ اپنی علمی بے بضاعتی کا اعتراف کیا، اور برملا اعلان کیا کہ اسے اپنی لاعلمی کی خبر ہے (جب کہ دوسرے جو دعوائے علم رکھتے ہیں، اپنی جہالت سے بھی بے خبر ہیں)۔ بہرحال اس کا خیال تھا کہ ایک اندرونی آواز اسے اس بات پر اکساتی تھی کہ لوگوں کو علم اور نیکی کی زندگی کی طرف راغب کرے۔ اس کا باپ سنگ تراش اور ماں دایہ تھی، مگر اس نے اپنا آبائی پیشہ اختیار کرنے کی بجائے تصورات کی تشکیل و توضیح اور نئے خیالات کو منصۂ شہود پر لانے کی سعی ہی کو اپنا ہمہ وقتی شغل بنا لیا۔ پتا نہیں کہ اسے جو الہام ہوتا تھا، وہ شہد کی مکھی والی وحی کی نوعیت کا تھا، یا نبیوں والا۔ ہم اسے یقین کے ساتھ نبی کا درجہ نہیں دے سکتے کہ قرآن مجید اس سلسلے میں خاموش ہے، لیکن اس کے انداز و اطوار ضرور عام لوگوں سے مختلف اور ممتاز تھے۔ حسن، لذت و مسرت اور مادی آسائش و

آرام کے عہد میں اس نے فقیرانہ زندگی کو اختیار کیا۔

اس کا خیال تھا کہ افکار کی تبدیلی ہی سے فردکی زندگی اور پوری دنیا میں تبدیلی لائی جا سکتی ہے۔ اخلاقی اور سیاسی تبدیلی، ذہن کی تطہیر ہی سے ممکن ہے، اور ذہن کی تطہیر کے لیے صحیح علم ضروری ہے، کیوں کہ کوئی شخص جان بوجھ کر برا نہیں ہو سکتا۔ نیکی اور راست بازی، علم ہی سے ممکن ہے۔ غلط کار کو اگر معلوم ہو کہ اس کا فعل، فعل بد ہے، تو وہ اس کا ارتکاب ہی نہیں کرے گا۔ اس لیے ضروری ہے کہ لوگوں کو یہ بتایا جائے کہ نیکی کیا ہے، راستی کسے کہتے ہیں، عدل کیا ہے، سیاست دانوں کو کیا کرنا چاہیے، ایک مثالی ریاست کیسی ہوگی۔ مگر اس کے لیے اس نے وعظ و نصیحت اور تلقین و تقریر کا طریقہ اختیار نہیں کیا۔ اس کا مخصوص انداز، جس کی کوئی نقل نہ کر سکا (سقراطی طریق)، حیات و کائنات اور انسانی زندگی کے بارے میں بنیادی سوالات اٹھانے کا تھا۔

عام لوگوں، خصوصاً نوجوانوں میں وہ بہت مقبول تھا، بازاروں، مندروں اور اہل فکر کے ہاں، ہر جگہ اس کی پذیرائی ہوتی تھی۔ تاہم سیاست دان اور ریاست کے مقتدر طبقے اس کے مشن سے بے کلی محسوس کرنے لگے۔ وہ ۷۰ سال کا تھا کہ اس پر الزام لگایا گیا کہ وہ ریاست کے دیوتاؤں کی توقیر نہیں کرتا اور نوجوانوں کو خراب کر رہا ہے۔ اسے سزائے موت دی گئی، جسے اس نے قبول کر لیا اور خوش دلی کے ساتھ زہر کا پیالہ پی کر جاوداں ہو گیا۔

فکر، کردار، اور زندگی کے مجموعی حسن کے حوالے سے مغرب میں کوئی دوسرا سقراط پیدا نہ ہوا۔

سقراط کی موت نے ایتھنز کی ریاست کے بیشتر نوجوانوں اور حق کے متلاشیوں کو غم زدہ کر دیا تھا، مگر افلاطون اس سے بہت زیادہ متاثر تھا۔ اس نے اپنے استاد اور رہ نما کی تعلیمات اور مشن کو عام کرنے کے لیے اس کے افکار کو باقاعدہ مدون کیا۔ لیکن باقاعدہ ابواب و فصول پر مشتمل کتابوں کی شکل میں نہیں، بلکہ مکالمات کی صورت میں۔ اس کے بیس مکالموں میں سے بعض تو ضخیم جلدوں میں سماتے ہیں، لیکن سبھی میں سقراط ایک مرکزی کردار کی صورت میں سامنے آتا ہے، اور اپنے مخصوص انداز میں بنیادی سوالات اٹھاتا اور مسائل کی تنقیح کرتا نظر آتا ہے، مگر اس طرح کہ کہیں بھی قاری اکتاہٹ کا شکار اور بے مزہ نہیں ہوتا۔ فلسفے کے (بسا اوقات) خشک مسائل — وجودیات، حیات، اخلاقیات، تعلیم، سیاسیات اور جمالیات جیسے مباحث کو — شاید ہی کسی مصنف نے اتنے دلچسپ اور خوب صورت انداز میں پیش کیا ہو۔ فکرِ مغرب، مادیت کے خلاف تصوریت اور روحانیت، اور لذت کوشی اور حیوانی خواہشات کے مقابل میں روح کی پاکیزگی، اخلاق کی درستی اور

قانون کی پابندی کے مقدمے کو تنقید و تفصیل کے ساتھ پیش کرنے کا شرف اولاً اسی کو حاصل ہوا ہے۔

سقراطی طریق میں اشیا اور تصورات کی تعریفوں کی بڑی اہمیت تھی۔ ہم چیزوں کی تعریف کس طرح کرتے ہیں؟ ایک قلم سرکنڈے کا بنا ہوا ہے، اور دوسرا چیتل کا، اور ایک پلاسٹک کا۔ تینوں کو قلم کہتے ہیں، اگرچہ دیکھنے میں، اور اپنے مواد میں وہ مختلف ہیں۔ ان میں کون سی چیز مشترک ہے؟ قلم پن (یا قلم ہونے کی صفت)۔ یہ صفت کوئی مادی چیز نہیں، بلکہ ایک مجرد تصور ہے۔ اس طرح دو خوب صورت چہروں میں جو چیز مشترک ہے، اسے ہم خوب صورتی کہتے ہیں۔ ہم پھول کو، کسی پرندے کو، ایک منظر کو بھی خوب صورت کہتے ہیں۔ ان سب چیزوں میں کون سی چیز مشترک ہے؟ خوب صورتی یا حسن۔ مگر یہ حسی ادراک میں آنے والی کوئی مادی چیز نہیں، بلکہ ایک مجرد تصور ہے۔

افلاطون اس سے آگے بڑھ کر ایک بات اور کہتا ہے، جس سے مادے کے مقابلے میں غیر مادی تصور کی اہمیت اور حقیقت آشکارا ہوتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انفرادی اشیا میں ان کے امتیاز وصفی کم و بیش ہو سکتے ہیں (جیسے ایک پھول، دوسرے پھول کے مقابلے میں کم حسین ہے، یا ایک شخص دوسرے شخص کے مقابلے میں بہتر انسان ہے)۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ انفرادی اشیا متغیر اور فنا پذیر بھی ہیں (ایک پھول آج اتنا حسین نہیں جتنا کل تھا)، مگر حُسن فی نفسہٖ غیر متغیر ہے۔ انفرادی پھول ایک سال بعد (یا ایک ہی ماہ بعد) ریزہ ریزہ ہو کر فنا ہو جائے گا، مگر پھول کا تصور "پھول فی نفسہٖ" باقی رہنے والا ہے۔

اس سے پتا چلتا ہے کہ اس عالمِ مادی میں (جس کی خبر ہمیں ہمارے حواس دیتے ہیں) ہم جن اشیا کو "موجود" اور "حقیقی" کہتے ہیں، فی الحقیقت ان سے زیادہ، ان اوصاف سے متصف، حقیقتاً موجود یا "حقیقی" ان کے تصورات ہیں۔ یہ سوچ افلاطون کو اس سمت لے گئی کہ یہ دنیا ــــ دنیائے انفرادی اشیا ــــ ایک غیر کامل (imperfect) نقل ہے ایک دوسری (اور اصل) دنیا کی، جو کہ عالمِ تصورات ہے، جو زیادہ حقیقی اور کامل ہیں۔ یہ دنیا، جس کی خبر ہمیں ہمارے حواس دیتے ہیں، متغیر، فنا پذیر اور ناقص انفرادی اشیا پر مشتمل ہے، جب کہ عالمِ تصورات، غیر متغیر، باقی اور کامل تصورات سے آباد ہے۔ مگر یہ عالم، حواس کے دائرۂ ادراک سے ماورا ہے، اور صرف ادراکِ عقل ہی سے اس تک رسائی ہو سکتی ہے۔

کیا فی الواقع افلاطون ایسے کسی عالم کے وجود کا قائل تھا؟ بعد کے تبصرہ نگاروں اور ناقدین نے اس پر بڑی بحثیں کی ہیں۔ خود اس کے شاگرد ارسطو نے اس پر اسی نقطۂ نظر سے تنقید کی۔ مگر اس

کے بعض مکالمات سے پتا چلتا ہے کہ ہم' اور عام لوگ جن معنوں میں ''حقیقی'' اور ''وجود'' جیسے لفظوں کا اطلاق کرتے ہیں' افلاطون ان کا اطلاق کچھ دوسرے مفہوم میں کرتا تھا۔ جمہوریہ (The Republic) میں جب سقراط اپنی مثالی ریاست کے خدوخال واضح کرتا اور اس کی صفات بیان کرتا ہے' مثلاً یہ کہ وہ عدل پر قائم ریاست ہوگی' جہاں تمام شہریوں کے بچوں کو یکساں تعلیم و تربیت کے مواقع ہوں گے' اور انھی میں سے مختلف درجات اور صلاحیتوں کی بنا پر کارکن' سپاہی اور حکمران چنے جائیں گے' (کسی' شوار گزار سفر کے لیے ہم اپنے جہاز کے ناخدا کا انتخاب کس بنیاد پر کریں گے؟ ذات برادری' ہم قبیلہ ہونے' دوستی' یا کسی ذاتی مفاد کی بنا پر یا محض اس کی صلاحیت کی بنا پر؟)۔ اس ریاست میں قانون اور اخلاق فلسفہ کی حکم رانی ہوگی وغیرہ۔ تو گلاء کن نہایت سادگی سے پوچھتا ہے کہ ایسا شہر (ریاست) ہے کہاں؟ ''کیوں کہ میرا خیال ہے کہ دنیا میں کہیں بھی اس کا وجود نہیں ہے''۔ تو سقراط جواب دیتا ہے: ''میرا خیال ہے کہ آسمانوں میں اس کا نقشہ بنا کر رکھ دیا گیا ہے کہ جو خواہش مند ہو' وہ اس کا ادراک کرلے' اور اس ادراک کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس طرح وہ اپنا گھر درست کرلے گا۔ مگر ایسا ایک شہر (ریاست) حقیقت میں موجود ہے' یا کبھی وجود میں آسکے گا' یہ بات اہم نہیں۔ کیوں کہ ایک ایسا شخص جس نے اس کا (عقلی) ادراک کر لیا' وہ تو اپنی زندگی اسی شہر کے نمونے پر استوار کرے گا' کسی دوسرے (شہر ریاست) سے اس کا تعلق نہ رہے گا''۔

یہ ہے افلاطون کی اس تصوریت کی روح' جسے بہت سے لوگوں نے سمجھا ہی نہیں۔ اس کے تصورات' دراصل مثالیے ہیں' وہ آئیڈیل جن کی طرف نظریں جما دینے سے زندگی مثالی نمونے سے قریب تر ہو سکتی ہے' کیوں کہ وہ کہتا ہے کہ وہ شئے زیادہ حقیقی ہے' جو تصور (مثالیے) سے اقرب ہو۔ اور جو اس سے جتنی زیادہ بھی ہوئی یا بعید ہوگی' وہ اتنی ہی غیر حقیقی ہوگی۔ جو شخص مثالی انسان کی زیادہ سے زیادہ صفت کا حامل ہوگا' وہی زیادہ ''اصلی'' اور حقیقی انسان ہوگا۔ اس طرح انسان بھی کم حقیقی اور زیادہ حقیقی ہوتے۔ علامہ اقبال نے افلاطون پر ظلم کیا' جب انھوں نے اسے کلیتاً اور غیر مشروط طور پر اسلام کے تصورِ حیات کے مقابل کھڑا کر دیا اور کہا کہ اسلام کی زندگی وہ ہے کہ'

حقیقت ابدی ہے اساس ہے اس کی ۔ یہ زندگی ہے' نہیں ہے طلسم افلاطوں

اور

منکرِ ہنگامۂ موجود گشت ۔ خالقِ اعیانِ نامشہود گشت

ظاہر ہے کہ افلاطون کی صنمیات اور مثالیوں کی بحث کو لفظاً لفظاً لینا اس پر ظلم کرنا ہے۔ بہرحال، افلاطون نے مغربی فکر میں نام نہاد "حقیقی" کے مقابل میں "مثالی" کو پیش کر کے ایک نئی فکر کی بنیاد ڈالی۔

ارسطو (۳۲۲-۳۸۴ ق م) کو اکثر افلاطون کے مقابل رکھا جاتا ہے۔ اور مغربی فکر کی روح — سائنسی فکر اور سائنسی طریق کار — کا باقاعدہ ناظم تصور کیا جاتا ہے۔ یہ بات جزوی طور پر ہی صحیح ہے۔ اس نے مابعد الطبعیات (یہ لفظ بعد کی ایجاد ہے) کے ساتھ ساتھ طبعیات (زیادہ درست الفاظ میں طبعی علوم یا مطالعۂ فطرت) پر بھی بہت کچھ لکھا۔ اس نے افلاطون کی بتائی ہوئی انفرادی اشیا اور ان کی اصل کی تقسیم برقرار رکھی (وہ انھیں صُور Forms کا نام دیتا ہے)، تاہم اس نے اس بات پر زور دیا کہ صُور کا اپنا کوئی الگ عالم نہیں بلکہ وہ انفرادی اشیا ہی میں جاگزیں ہوتی ہیں۔ آپ چاہیں تو انھیں اعیان (Universals) کہہ لیں، اور اگرچہ علم کا صحیح اور حقیقی معروض یہی اعیان ہیں، لیکن چوں کہ انفرادی اشیا (Particulars) کے بغیر ان کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، اور انفرادی اشیا کا تعلق اس "عالم مادی" سے ہے، لہٰذا عالم مادی کا علم حاصل کرنا ضروری ہے اور یہ مشاہدے ہی سے ہو سکتا ہے۔

اگرچہ ارسطو کے طریقِ تفتیش و تحقیق کو معروضی سائنسی اور "مشاہداتی" کہا گیا ہے، لیکن اکثر وہ اس سے دور نظر آتا ہے۔ (اس نے دعویٰ کیا کہ عورتوں کے منہ میں مردوں کی بہ نسبت کم دانت ہوتے ہیں، حالاں کہ وہ اپنی بیوی کے دانت گن کر اس غلط فہمی سے بچ سکتا تھا)۔ اس نے پودوں، درختوں، جانوروں، چٹانوں، اجرام سماوی، کیمیا اور میکانیات پر بھی طبع آزمائی کی اور خیال کے گھوڑے دوڑائے، لیکن بعد کی سائنسی تفتیش نے اس کے بیشتر مزعومات کو غلط ہی ثابت کیا۔

مسلمانوں نے ارسطو کو "معلمِ اوّل" کا خطاب دیا۔ رازی (م ۹۲۳) فارابی (م ۹۵۰) اور ابن سینا (م ۱۰۳۷) کے ہاں افلاطون اور نوفلاطونیت کے ساتھ ساتھ ارسطو کی سوچ اور مزعومات کا رنگ بھی واضح طور پر جھلکتا ہے۔ "سائنسی دَور" کے بعض بڑے اساطین نے بھی حیاتیات میں اس کی فکر کی رسائی کو تسلیم کیا۔ ڈارون بھی اس شعبے میں اس کے مشاہدے اور فکر کی داد دیتا نظر آتا ہے، لیکن ارسطو سائنس کے دوسرے اہم طریق — تجربے — سے بہت دور تھا۔ اسی لیے طبعیات وغیرہ میں — جہاں شرائط و احوال تبدیل کر کے کسی مظہر یا معروض (Object) کا مشاہدہ کیا جاتا ہے، اور باریک بینی کے ساتھ ناپ تول کی اہمیت ہے — ارسطو کو کوئی خاص مقام نہ ملا۔

اس کے نزدیک کائنات کا مرکز کرۂ ارض تھا جس کے گرد سارے اجرام سماوی دائرے میں

حرکت کرتے ہیں جب کہ یہ مرکز، زمین، ساکن ہے۔ افلاک ازلی اور ابدی ہیں کیوں کہ تغیر اور فنا عالم تحت القمر ہی کا خاصہ ہے۔ فطری حرکت دوری ہوتی ہے۔ مادہ لافانی ہے اور اس کی چار اقسام آب، آتش، خاک اور ہوا ہیں۔ یہ بھی مادے اور صورت سے مرکب ہیں۔ متضاد صفات کے دو دو جوڑے ــ گرم اور سرد، خشک اور مرطوب ــ مل کر ان بنیادی عناصر کو ترتیب دیتے ہیں۔ مثلاً خاک سرد اور خشک ہے، آتش گرم اور خشک وغیرہ۔

ارسطو ہر شے کے وجود کے لیے اسباب کو ضروری خیال کرتا تھا۔ اس کے نزدیک کوئی بھی چیز جیسی کہ وہ ہے، عدد اربع کی بنا پر ہے۔ یہ اسباب یہ ہیں: علت مادی، علت صوری، علت فاعلی اور علت غائی۔ ایک قسم کی علت مادی وہ مسالہ ہے جس سے وہ بنا ہے۔ علت صوری اس کی مخصوص صورت، شکل۔ علت فاعلی وہ قوت و مہارت جو اس کے بننے میں صرف ہوئی، اور علت غائی وہ مقصد ہے جس کے لیے وہ بنائی گئی۔ کوئی ساری چیزیں مادی ہیں (بجز مادہ اولیٰ) مگر وہ بھی صورت کے بغیر وجود میں نہیں آ سکتیں۔ اس طرح تمام اشیا مادے اور صورت کے ملاپ ہی سے وجود پاتی ہیں۔ بغیر صورت کے کسی شے کا وجود نہیں مگر صورت خالص (Pure Form) بغیر مادے کے موجود ہے۔ اس صورت خالص ہی کو اللہ کہہ لیں۔ یہ فاعل حقیقی بھی ہے کہ کائنات میں تمام تغیر اور حرکت کی ابتدا اسی سے ہوتی ہے۔ وہ خود غیر متحرک محرک اول ہے۔

کائنات و مافیہا کے یہ تصورات تھے جنھیں قرون وسطیٰ میں عیسائی اور بہت سے مسلمان فلاسفہ نے کچھ ترمیم اور تنقیح کے ساتھ اختیار کیا۔ ان میں کہیں مادے اور روح کی ثنویت نظر آتی ہے اور کہیں وجودی احدیت (فلاطینوس م ۲۷۰، محی الدین ابن العربی م ۱۲۴۰، ملا صدر الدین شیرازی م ۱۶۴۱ کے ہاں یہ روحی احدیت ہے یا "وحدت الوجود")۔ یورپ کی جدید فکر کے بانیوں میں یہ ثنویت رینے ڈی کارت (م ۱۶۵۰) کے ہاں، روحی احدیت (روحی وحدت الوجود) ہیگل (۱۸۳۱) کے ہاں اور مادی احدیت ہول باخ (م ۱۷۸۹) کے ہاں بہت واضح انداز میں نظر آتی ہے۔ لیکن انسان شاید بنیادی طور پر "موحد" ہے۔ توحید الٰہ ہو یا "توحید فطرت"، مابعد الطبعیات اور طبعیات دونوں میں ثنویت آہستہ آہستہ پسپا ہوتی چلی گئی۔ اس کائنات میں خدا اور فطرت، مادہ اور روح (یا توانائی) دونوں کے لیے گنجائش نہ تھی کہ ایک اقلیم میں دو بادشاہ نہیں سما سکتے۔ ابھرتی ہوئی سائنسی فکر نے عالم محسوسات کے حق میں رائے دی اور روح اور مابعد الطبعیات کو اپنے نظام فکر سے خارج کر کے ایک بنیادی قید رکھی جس میں "حاضر و موجود" کے علاوہ کسی اور حقیقت کی گنجائش نہ تھی۔ لیکن یہ داستان بھی بڑی تفصیل چاہتی ہے۔ (جاری)

چیچنیا : روس کا قبرستان

خرم مراد

بیسویں صدی کی صلیبی جنگ کے شعلے پھیلتے ہی چلے جا رہے ہیں۔ مغربی میڈیا کی لہروں، فرانس کے اسکولوں، بوسنیا کے شہروں اور الجیریا کے میدانوں کے بعد، اب افسانوی شہرت کی حامل کوہ قاف کی وادی اور پریوں کے دیس، یعنی قفقاز یا کاکیشیا (Caucasus) کے خوبصورت سبزہ زاروں اور کہساروں کی باری ہے، جو مسلمانوں کے خون سے لہولہان ہو رہے ہیں۔ صرف ۱۰ لاکھ کی غالب مسلمان آبادی، اور تقریباً ۱۹ ہزار مربع کلو میٹر کا ننھا منا ملک، چیچنیا اور اس کا دارالحکومت گروزنی، زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ ۶ ہفتے سے، دنیا کی دوسری سوپر پاور کی، یا یوں کہیے کہ اس کی شکست و ریخت کے بعد اس کے وارث ملک روس کی فوجیں، دور مار توپیں، ٹینک اور طیارے ان کے اوپر آگ اور خون سے بھرے راکٹ اور بم برسا رہے ہیں۔ چیچنیا کے پہاڑ جیسے مجاہدوں کی داد دینا پڑتی ہے کہ پھر بھی گروزنی روسی ٹینکوں کا مرگھٹ بن گیا ہے، اور اس کی سڑکوں پر ہر طرف روسی سپاہیوں کی لاشیں بکھری ہوئی ہیں۔ جس ریڈ آرمی کی طاقت کے تصور سے دنیا سہم جاتی تھی، وہ ان مجاہدین کی مزاحمت کے آگے اتنی نااہل، ناکارہ اور کم حوصلہ ثابت ہوگی، یہ اندازہ کس کو ہو سکتا تھا۔

اس میں کیا شبہ ہو سکتا ہے کہ بالآخر روس گروزنی پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو جائے گا--- یہ قبضہ تو اس جیسی طاقت کو ۶ ہفتے نہیں، ۶ گھنٹے میں کر لینا چاہیے تھا۔ ہفت روزہ ٹائم ۲۳ جنوری ۹۵ء کا کہنا ہے: "گزشتہ ہفتے سے روسی فوج نے اس طرح جنگ کرنا شروع کی ہے جس طرح ایک شہر کو فتح کرنے کے لیے کرنا چاہیے۔ یعنی پہلے ایک عمارت کو توپوں اور ٹینکوں سے اڑا دینا، لڑنے والوں کا تلاش کر کر کے صفایا کرنا، پھر آگے بڑھنا، یہی معاملہ ایک کے بعد دوسری عمارت کے ساتھ کرنا، اسی طرح دھماکہ خیز راکٹوں اور شیلوں سے ایک ایک بلاک، (یعنی اس کا ملبہ) فتح کرتے چلے جانا"۔

اس میں بھی شک نہیں کہ روس کے پاس مقبوضہ چیچنیا میں اتنے میر جعفر موجود ہیں کہ وہ ان کی مدد سے وہاں بظاہر ایک سیاسی ڈھانچہ قائم کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اچین سے لے کر چیچنیا تک اغیار کے تسلط کی سب سے بڑی وجہ ہمیشہ باہمی افتراق و نزاع اور ننگ آدم' ننگ دین' ننگ وطن میر جعفر اور میر صادق رہے ہیں۔ تین سال قبل چیچنیا کی طرف سے اعلان آزادی کے بعد ہی سے' صدر جعفر دوداییف کے خلاف روس اپنے ہم نوا چیچن لیڈروں کو ان کا تختہ الٹنے کے لیے کھڑا کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ ماسکو میں فروغ پذیر چیچن لیڈر' جو اپنے عوام سے کٹ چکے ہیں' اس کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں' مثلاً نام نہاد امن کونسل کے ارسلان خاصلاتوف۔ جو سابق پریم سوویت کے اسپیکر تھے اور عمر افتاخانوف کی سربراہی میں متحدہ کونسل۔ عمر افتاخانوف نے ۱۵ نومبر کو یہ "خوش خبری" بھی سنادی تھی کہ ۳۰ نومبر تک چیچن باغی حکومت ختم ہو جائے گی۔ لیکن افسوس کوئی امید بر نہ آئی۔ جب حزب اختلاف اور رضاکاروں کے ذریعہ جعفر دوداییف کے خاتمہ میں کامیابی کے کوئی آثار نظر نہ آئے' تو صدر یلتسن نے ۹ دسمبر کو ہر ممکن قوت سے بغاوت کو کچل دینے کا اعلان کیا۔ اب گروزنی پر قبضہ کے بعد' یہ سارے مہرے ایک متبادل نظام بنانے کے لیے دستیاب ہوں گے' لیکن عوام کی لاشوں پر ایک پایدار نظام کیسے بنے گا۔

لیکن کیا روس چیچن مسلمانوں اور ان کے جذبہ حریت پر قابو پانے میں بھی کامیاب ہو جائے گا؟ یہ تقریباً ناممکن نظر آتا ہے۔ روس نے ۱۷۲۳ء میں چیچنیا کی سرحد پر پہلی لڑائی کا آغاز کیا۔ دھیمی دھیمی رفتار سے' جنگل صاف کیے' آباد یار اور گاؤں جلا دیے' قازقوں کو لا کر آباد کیا' قلعے تعمیر کیے' لیکن ۱۲۵ سال بعد' ۱۸۵۹ء میں کہیں جا کر' تحریک جہاد کو شکست دینے میں کامیاب ہوا۔ اس عرصہ میں امام منصور کی تحریک جہاد (۱۷۸۵) اور امام شامل (۱۷۹۹-۱۸۷۱ء' مدینہ منورہ) نے روسیوں کو ناکوں چنے چبوا دیے۔

صدیوں مسلمان قربانیاں دیتے رہے' روس کے مظالم بھی ہلکے نہ پڑے۔ قفقاز میں' تاتارستان ہوں' یا قفقاز کی دیگر مسلمان ریاستیں' روس قتل و غارت' اور بے گھر کر کے' مسلمانوں کے وجود کو ختم کرنے میں لگا رہا۔ یہاں تک کہ اسٹالن نے' ۱۹۴۴ء میں' بشمول چیچن' ۶ مسلمان قوموں کے عورتوں' بچوں' بوڑھوں اور جوانوں کا نام و نشان مٹانے کے لیے' ان کی آبادیوں کا گھیراؤ کیا' ان کو آگ لگائی اور ۷۰ ہزار ویگنوں میں بھر کر تقریباً ۱۰ لاکھ مسلمانوں کو تتر بتر کر دیا۔ پھر اس نے ۲۵ جون ۱۹۴۶ء کو پریم سوویت کے ایک حکم نامہ کے ذریعہ جمہوریہ چیچنیا کا وجود ہی نقشہ سے مٹا دیا' اگرچہ ۹ جنوری' ۱۹۵۷ء کو کروشچیف کو اسے دوبارہ بحال کرنا پڑا۔ ان کا جرم کیا تھا؟ غداری۔ اس جرم کے

مرتکب کون تھے؟ ۸۰ فی صد عورتیں اور بچے، ۲۰ فی صد بوڑھے مرد۔ جوان محاذوں پر روسی فوجوں میں شامل جرمنی کے خلاف لڑ رہے تھے۔ جب وہ محاذ سے واپس آئے' ان کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوا۔ جہاں غداری کا الزام بالکل ہی مضحکہ خیز تھا' وہاں "تحفظ" کے نام پر یہی ساری کارروائی کی گئی۔

جن مسلمانوں کے جذبہ اور وجود کو یہ سارے مظالم نہ بجھا سکے' اور جنھوں نے زار روس کی فوجوں کو نصف صدی تک روکے رکھا' وہ یلتسن کی ناکارہ فوجوں کے قابو میں کیسے آجائیں گے؟

چیچن جہاد جاری رکھیں گے' اور روس کو اپنی فاش غلطی کی بہت بھاری اور تباہ کن قیمت ادا کرنا پڑے گی۔ معیشت پہلے ہی خستہ اور زار و نزار ہے' اس میں دراڑیں بڑھتی جائیں گی۔ سیاسی خلفشار پہلے ہی زیادہ ہے' اب وہ مزید شکست و ریخت کا شکار بنے گا۔ جمہوریت کے قیام کے سنہرے خواب بکھر گئے ہیں۔ روس ایک ملک کا نام نہیں' یہ ۸۹ نسلی ریاستوں کا مجموعہ ہے۔ ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی درجہ میں آزادی کی خواہاں ہے۔ ان کو متحد رکھنا مشکل سے مشکل ہوتا جائے گا۔

لیکن اصل ٹائم بم تو خود قفقاز کا علاقہ ہے۔ اس کے تصور سے' روس ہی نہیں' سارا مغرب خائف ہے۔ ہفت روزہ اکنامسٹ (۱۴ جنوری' ۹۵) نے سوال کیا ہے: "اور کتنے دوسرے چیچنیا؟"۔ کتنے لوگوں کو معلوم ہے کہ چیچنیا سے متصل جنوبی ریاست داغستان میں اسلام کی خوشبو حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں پہنچ گئی تھی۔ دریائے اولگا کے کناروں پر ۶ ریاستیں ہیں جو قدرتی وسائل سے مالا مال ہیں۔ باشقرستان (آبادی ۴۰ لاکھ)' تاتارستان (۳۸ لاکھ)' اودمورتیا (۱۶ لاکھ)' موردوویا (۱۰ لاکھ)' ماری ایل (۸ لاکھ) کال مائیکیا (۳ لاکھ)۔ ان کے پاس تیل ہے' مواصلات اور پائپ لائنیں ہیں' معدنیات کی بے حد و حساب دولت ہے' اور --- تقریباً ۲ کروڑ مسلمان بھی ہیں (وسیع نسل کشی اور جبر کے باوجود)۔ اگرچہ روسیوں کی نوآبادکاری کے ذریعہ ان کا تناسب ۴۰ تا ۶۰ فی صد کر لیا گیا ہے' چیچن مسلمان اور ان کی روح جہاد! اس کا علاج کس کے پاس ہے۔ شمال میں کاریلیا' کومی' اور یاقوتیا کی ریاستیں بھی ہیں۔ وہ بھی آزادی کے لیے بے چین ہیں۔ چیچنیا کے شمال و جنوب میں چھوٹی چھوٹی ۶ مسلمان جمہوریتیں اس کے علاوہ ہیں' جہاں جہاد کی رو پھیلتی جا رہی ہے۔ اکنامسٹ کے مطابق: روسی حملے کا بدترین نتیجہ یہ برآمد ہو سکتا ہے کہ پورے قفقاز میں جہاد کی آگ بھڑک سکتی ہے"۔

مغربی ممالک اگر مگرمچھ کے آنسو بہا رہے ہیں تو اس کی اصل وجہ یہی ہے --- چیچن مسلمانوں کا صفایا ہو جائے' روح جہاد بھڑکنے کا خطرہ نہ رہے' اس سے زیادہ خوشی کی بات کیا ہو سکتی ہے۔ غم اس کا نہیں کہ روس گروزنی میں شہریوں کو وسیع پیمانہ پر ہلاک کر رہا ہے' غم و غصہ اس کا ہے کہ روسی فوج اتنی نالائق اور نااہل کیوں ثابت ہوئی کہ یہ جنگ اتنی طویل ہو گئی۔ بوسنیا کی طرح چیچنیا میں بھی اب

ان کو عرصہ تک ایک نامکمل ایجنڈے اور ایک ادھورے کام سے نبٹنا ہو گا' اور دنیا کو دکھانے کو کچھ آنسو بھی بہانا ہوں گے۔ چیچنیا کو وہ روس کا علاقہ اور اس کا اندرونی معاملہ قرار دے چکے تھے۔ اس کا یہ حق بھی تسلیم کر چکے تھے کہ وہ اسے فوجی طاقت کے ذریعہ زیر کرلے۔ بس ایک ذرا سی شرط یہ تھی کہ خون ریزی اور تباہی ذرا "زیادہ" نہ ہو۔ روس نہ اپنا کام ٹھیک سے کر سکا' نہ اس شرط کا لحاظ رکھ سکا۔

یہ بات بھی ملحوظ رہنا ضروری ہے کہ مغرب کے بعض تجزیہ نگاروں کے نزدیک اب بھی مستقبل قریب میں اسے اصل خطرہ اسلام سے زیادہ روس اور چین سے ہے۔ برسوں کے دشمن کو' دوستی کا سارا دم بھرنے کے باوجود' واقعی دوست تو نہیں کہا جا سکتا۔ چیچنیا کے تیر سے دو شکار ہو گئے! ایک' مسلمان۔ دوسرے' خود روس۔ یلسن کو غلط آدمی قرار دیا جا رہا ہے۔ وہ شراب کے نشہ میں دھت رہتا ہے' قوت فیصلہ سے محروم ہے' باڈی گارڈ اس کے پردہ میں حکومت کر رہے ہیں' وغیرہ وغیرہ۔ پھر اگر روس کی معیشت مزید تباہ ہو' سیاسی خلفشار پیدا ہو' وحدت منتشر ہو' تو یہ مزید فوائد ہوں گے۔

آیئے دو آنسو مسلمان حکمرانوں کی بے حسی' مغرب کی غلامی اور ملت کے مفادات سے بے وفائی پر بھی بڑھ لیں۔ آزاد چیچنیا کے صدر' جعفر دوداایف نے تمام مسلمان ممالک سے مدد کی اپیل کی۔ اس کا جواب انھیں روسی خبر رساں ایجنسی تاس کے ذریعہ یہ ملا۔ "ہم چیچنیا میں متحارف فریقوں کے درمیان جنگ کو روس کا اندرونی معاملہ سمجھتے ہیں"۔ سب سے آگے بڑھ کر بولنے والے پاکستانی سفیر تنویر احمد خان تھے۔ "چیچنیا کی گتھی کو سلجھانا' صرف رشین فیڈریشن کا کام ہے"۔ پاکستانی وزارت خارجہ کو یہ یقین دہانی کرانے ہی سے فرصت نہیں کہ پاکستان مجاہدین کو کسی قسم کی مدد نہیں دے رہا' وہاں کوئی پاکستانی نہیں لڑ رہا۔ ترکی کی وزیر اعظم ۵-۶ دسمبر کو بوڈاپسٹ میں یوروپین کانفرنس میں موجود تھیں' اس وقت تک روس فوجی کاروائی شروع کر چکا تھا' لیکن ان کو ایک لفظ چیچنیا میں روسی جارحیت کے خلاف کہنے کی توفیق نہ ہوئی۔ امام شامل نے بھی ۱۸۵۹ء میں بالآخر ہتھیار اسی لیے ڈالے تھے کہ انھیں نہ ترکی سے مدد مل رہی تھی' نہ ایران سے۔

حرم رسوا ہوا پیر حرم کی کم نگاہی سے جوانان تتاری کس قدر صاحب نظر نکلے

چیچنیا کے مسلمانوں نے جس بے جگری سے روس کی بے پناہ قوت کا مقابلہ کیا ہے' جس ہمت اور حوصلہ سے اپنے گھر اور اپنی جانیں قربان کی ہیں' اس نے امت کے ضمیر میں امید کی ایک نئی شمع روشن کر دی ہے۔ دور افتادہ علاقوں میں' جن کے نام سے بھی عام مسلمان واقف نہیں' اسلام کا یہ جذبہ موجزن' یہ جذبہ جہاد!

یہ کلی بھی اس گلستان خزاں منظر میں تھی ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی

رسائل و مسائل

بچوں کی تولیت کا حق

باپ کے انتقال کی یا طلاق کی صورت میں بچوں کی تولیت پر کس کا حق ہے؟ باپ اور اس کے رشتہ داروں کا یا ماں کا؟

بچوں کا اصل متولی اور نگران تو باپ ہی ہے لیکن چھوٹے بچوں کی پرورش عام طور پر باپ کے مقابلے میں ماں اچھی طرح کر سکتی ہے۔ اس لیے تربیت و حضانت میں بچوں کی فلاح و بہبود کو مدنظر رکھ کر شریعت نے ماں کو ترجیح دی ہے۔ البتہ اگر ماں نے کسی ایسے شخص سے شادی کر لی ہو جو بچوں کا محرم نہ ہو تو پھر بچوں ہی کے فلاح و بہبود کے پیش نظر ماں کا حق ساقط ہو جاتا ہے۔ دلائل درج ذیل احادیث ہیں:

”حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص ؓ سے مروی ہے کہ ایک خاتون نے رسول اللہ ؐ کے پاس آ کر عرض کی کہ میرے اس بیٹے کے لیے میرا پیٹ برتن تھا، میری چھاتی اس کے لیے دودھ کا مشکیزہ تھی، اور میری گود اس کے لیے بستر تھی لیکن اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی ہے اور اب میرے اس بیٹے کو بھی مجھ سے چھیننا چاہتا ہے۔ رسول اللہ ؐ نے فرمایا: انت احق به مالم تنکحی. تم اس بچے کی زیادہ حق دار ہو جب تک کہ تم دوسری شادی نہ کرو“۔ (ابوداؤد، کتاب الطلاق)

”حضرت براء بن عازب ؓ سے مروی ہے کہ حضرت حمزہ ؓ کی بیٹی کو رسول اللہ ؐ نے حضرت جعفر ؓ کی تولیت میں اس لیے دیا تھا کہ ان کی بیوی اس بچی کی خالہ تھیں، اور فرمایا تھا کہ: الخالة بمنزلة الام. خالہ ماں کے درجے میں ہے“۔ (صحیح بخاری، کتاب الصلح)

”حضرت عمر ؓ نے ایک انصاری عورت سے شادی کی تھی، اور اس سے ان کا بیٹا عاصم بن عمر ؓ پیدا ہوا تھا۔ بچہ ابھی چھوٹا ہی تھا کہ حضرت عمر ؓ نے اس عورت کو طلاق دے دی، اور بچے کو اپنے پاس لے آئے۔ بچے کی نانی نے حضرت ابوبکر ؓ کے پاس آ کر شکایت کی کہ عمر ؓ نے میرے بچے (نواسے) کو مجھ سے چھین لیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر ؓ نے بچہ اس کی نانی کے حوالے کر دیا اور

حضرت عمرؓ نے اس فیصلے کو تسلیم کر لیا"۔ (موطا امام مالک، کتاب الوصیہ)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بچی یا بچے کی نانی کا حق بھی باپ پر مقدم ہے۔

ان احادیث سے استدلال کرتے ہوئے تمام مکاتب فکر کے فقہا نے کہا ہے کہ بچوں کی پرورش کی مستحق سب سے پہلے ان کی ماں ہے، بشرطیکہ اس نے دوسری شادی نہ کی ہو، اور دوسرے رشتہ داروں کا درجہ اس کے بعد ہے۔

البتہ اس بارے میں آرا مختلف ہیں کہ لڑکے یا لڑکی کی پرورش کا حق ماں کو کتنی عمر تک حاصل ہے۔ فقہ حنفی کے نزدیک لڑکا جب تک اپنے آپ کو سنبھالنے کے قابل نہ ہو جائے، جس کے لیے عمر کی حد سات سال ہے، اس وقت تک اس کی پرورش کا حق ماں کو حاصل ہے۔ اور لڑکی کی پرورش اور نگرانی کا حق اس کے بالغ ہونے (حیض آنے) تک ماں کو حاصل ہے (بدائع الصنائع، فتح القدیر، شرح ھدایہ، ج ۳، ص ۳۱۶)۔ فقہ شافعی و حنبلی کے نزدیک لڑکے اور لڑکی دونوں کی پرورش کا حق ماں کو سات سال کی عمر تک حاصل ہے۔ اس کے بعد بچے کو (خواہ لڑکا ہو یا لڑکی) اختیار دیا جائے گا اور وہ ماں باپ میں سے جس کے ساتھ رہنا چاہے، اس کے سپرد کیا جائے گا۔ (المغنی لابن قدامہ، شرح السنۃ للبغوی)۔

لیکن ماں کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ باپ کو اپنے بچوں کی ملاقات سے روکے۔ اگر باپ بچوں کو تعلیم کے لیے خود لے جانا چاہے تو ماں منع نہیں کر سکتی، البتہ رات کو ماں کے پاس لانا پڑے گا۔

(مولانا گوہر رحمٰن)

کیا برش سے مسواک کی سنت ادا ہو جائے گی؟

میرے ایک استاد نے کہا تھا کہ مسواک کے لیے کوئی خاص درخت شرط نہیں ہے۔ چونکہ یہی کام آج کل برش سے لیا جا رہا ہے، لہٰذا یہ مسواک کا قائم مقام ہو سکتا ہے۔ لیکن مفتی محمد شفیع کا فتویٰ یہ ہے کہ لکڑی کا مسواک ہی استعمال کرنا چاہیے۔ آپ کی رائے اس بارے میں کیا ہے؟

رسول اللہؐ نے فرمایا ہے، السواک مطھرۃ للفم ومرضاۃ للرب، مسواک منہ کی صفائی ہے اور رب کی رضامندی کا ذریعہ (احمد، نسائی، مشکوٰۃ)۔

حدیث میں متعین کردہ حکمت و مصلحت، یعنی منہ کی صفائی سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر وہ چیز مسواک کا مقصد پورا کر سکتی ہے، جس سے منہ کی صفائی ہو سکتی ہو۔ برش سے بھی منہ کی صفائی اچھی طرح ہوتی ہے، اس لیے یہ بھی مسواک ہی کی ایک جدید قسم ہے۔ البتہ اگر برش خنزیر کے بالوں سے

تیار کی گئی ہو تو پھر اس کا استعمال جائز نہیں ہے۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ "انگلی کا استعمال بھی مسواک کا قائم مقام بن سکتا ہے اگر مسواک موجود نہ ہو"۔ (مجمع الزوائد، ج ۲، ص ۱۰۰)۔

رسول اللہؐ کے زمانے میں چونکہ برش نہیں تھا اس لیے آپؐ لکڑی کا مسواک استعمال کرتے تھے۔ اور پیلو کی لکڑی کا مسواک پسند فرمایا کرتے تھے۔ ایک وفد کو رخصت کرتے وقت آپؐ نے پیلو کے مسواک تحفے میں دیے تھے (ایضاً)۔

فقہا نے پیلو یا اس نوع کی لکڑی کے مسواک کے کچھ ایسے فوائد بیان فرمائے ہیں جو برش سے حاصل نہیں کیے جا سکتے۔ اس لیے بہتر تو یہ ہے کہ لکڑی کا مسواک استعمال کیا جائے مگر اصل سنت برش کے استعمال سے بھی ادا ہو جائے گی۔ (ک-ر)

روزے کی حالت میں انجکشن

کیا روزے کی حالت میں انجکشن لگایا جا سکتا ہے؟ یا جسم سے خون نکالا جا سکتا ہے؟

فقہا نے تصریح کی ہے کہ روزہ ٹوٹنے کے لیے شرط یہ ہے کہ دوا یا غذا جوف معدہ تک منافذ اصلیہ یعنی براہ راست پہنچے (بدائع الصنائع، جلد ۲، ص ۹۳)۔ انجکشن کے ذریعے دوا اگرچہ جوف معدہ تک بھی پہنچتی ہے اور پورے جسم میں پھیلتی ہے لیکن یہ براہ راست (منافذ اصلیہ) نہیں پہنچتی۔ اس لیے فقہی اصول کی رو سے انجکشن لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، خواہ رگ میں لگایا گیا ہو یا گوشت میں لگایا گیا ہو۔ علمائے دیوبند کا فتویٰ بھی یہی ہے (فتاویٰ دارالعلوم، ج ۶، ص ۴۰۷-۴۰۸)۔

مولانا مودودیؒ کی رائے یہ ہے کہ انجکشن سے روزہ ٹوٹتا ہے لیکن میری رائے میں علمائے دیوبند کا فتویٰ درست ہے۔ غسل کا اثر بھی مسامات کے ذریعے اندر جاتا ہے اور کسی جانور کے کاٹنے کا اثر بھی۔ لیکن زیادہ محتاط اور افضل یہی ہے کہ شدید مجبوری کے بغیر روزے کی حالت میں انجکشن نہ لگایا جائے۔

انجکشن کے ذریعے خون نکالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ (ک-ر)

تراویح کی رکعات

کم از کم کتنی رکعت تراویح پڑھنا ضروری ہے؟ بعض لوگوں کے نزدیک ۲۰ رکعت بدعت ہے۔ بعض کے نزدیک اس سے کم پڑھنا گناہ ہے۔ بعض ۲۰ رکعت کی جماعت میں شامل ہوتے ہیں اور ۸ ہی پڑھ کر رخصت ہو جاتے ہیں۔

تراویح میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول ۸ اور کبھی ۱۰ تراویح اور ۳ وتر کا تھا۔ کبھی اس سے کم اور کبھی زیادہ بھی پڑھی ہیں۔ آپ ؐ کا یہ معمول انفرادی تھا، اور انفرادی معمول ایک انسان کی مرضی پر ہوتا ہے کہ اس میں لمبا قیام کرے یا مختصر۔ اس کی رو سے ہمارے سامنے نبی کریم ؐ کے قیام کا جو معمول آتا ہے وہ اتنا طویل ہے کہ اس کو سب کے لیے معمول بنانا بڑا مشکل ہے۔ خود نبی ؐ نے جماعت کا اصول یہ مقرر کیا ہے کہ من ام منکم فلیخفف یعنی تم میں سے جو امامت کرے تو وہ تخفیف کرے۔

آپ ؐ کے دور میں، اور اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے دور میں، تراویح باجماعت کا معمول نہ تھا۔ آپ ؐ نے تین دن جماعت کروائی، لیکن اس کے بعد ترک کر دی کہ کہیں فرض نہ ہو جائے، لیکن اس طرح جماعت مسنون ہوگئی۔ حضرت عمر ؓ نے دیکھا کہ لوگ مسجد نبوی میں تراویح پڑھ رہے ہیں: کوئی اکیلا کھڑا ہے، کوئی ایک حافظ کے پیچھے، اور کوئی دوسرے حافظ کے پیچھے کھڑا ہے۔ اس پر حضرت عمر ؓ نے صحابہ کرام ؓ کے مشورے سے دو کام کیے۔ ایک یہ کہ ایک جماعت کو معمول بنا کر انفرادی اور متعدد جماعتوں کے نظام کو ختم کر دیا۔ آٹھ یا دس رکعتوں میں جو طویل قیام ہوتا تھا اس کی جگہ تعداد رکعات بڑھا دی۔ اس طرح بیس تراویح اور تین وتر ہوگئے۔ یہ ان کا اجتہاد تھا جس کی بنیاد من ام منکم فلیخفف کا شرعی اصول تھا۔ آٹھ یا دس رکعات اس طرح پڑھنا جیسے کہ آپ ؐ نے پڑھی تھیں، بہت مشکل ہوتا۔ اگر آٹھ رکعت پڑھنا معمول بنا لیا جاتا، بغیر اس کے کہ اتنا لمبا قیام کیا جاتا جیسے کہ آپ ؐ کیا کرتے تھے، تو آپ ؐ کے معمول میں جو کمی ہوتی اس کی تلافی نہ ہوتی۔

حضرت عمر ؓ اور دوسرے صحابہ کرام ؓ نے یہ سمجھ لیا تھا کہ کوئی خاص تعداد مقصود بالذات نہیں ہے۔ آٹھ یا دس رکعات کا معمول آپ ؐ نے اپنی سہولت کے لیے اختیار کر رکھا تھا۔ لہٰذا اس معمول کو دوگنا کر کے باقی رکھا جائے تاکہ جماعت میں تخفیف والا اصول بھی جاری ہو جائے۔ لیکن اس طرح سے قیام میں تخفیف کی وجہ سے جو کمی ہو اس کا مداوا تعداد رکعات سے ہو جائے۔ اس بنا پر تعداد ۲۰ ہو گئی۔ اس بنا پر ہمارے نزدیک ۲۰ تراویح کو ہی معمول بنانا چاہیے، اور مساجد میں تراویح باجماعت پڑھی جائے تو ۲۰ رکعات پڑھی جائیں۔ اگر کوئی شخص انفرادی طور پر تراویح پڑھتا ہے، اور وہ ۸ رکعات کو اس شکل میں پڑھنا چاہے جس شکل میں رسول اللہ ؐ پڑھتے تھے، تو یہ بھی جائز ہے، اور تخفیف کے ساتھ ۸ پڑھنا چاہے تو بھی درست ہے۔ لیکن اسے یہ سمجھنا چاہیے کہ ۲۰ تراویح خلفائے راشدین کی سنت ہے اور یہ سنت دراصل ۸ رکعات سنت نبوی ؐ کی ہی دوسری شکل ہے۔ صحابہ کرام ؓ نے دین کے مجموعی مزاج اور نبی ؐ کے معمول اور نماز باجماعت کے اصولوں کی روشنی میں جو اجتہاد

کیا ہے، وہ درست ہے اور اس کو پڑھنے میں خیر و برکت ہے۔ تاہم اگر کوئی شخص جماعت میں بھی ۸ رکعت کو اولیٰ سمجھتا ہے اور ۲۰ کو جائز، تو اس پر بھی طعن کرنا مناسب نہیں ہے۔ البتہ جو شخص ۲۰ رکعات کو بدعت قرار دیتا ہے وہ ظلم کا مرتکب ہے اور زیادتی کر رہا ہے۔ اس کی اصلاح کی طرف توجہ دینا ضروری ہے۔ (مولانا عبدالمالک)

چند سوالات

"فہم حدیث" (اکتوبر ۹۴) میں چند چیزیں میری سمجھ میں نہیں آئیں۔

۱- پہلی حدیث کی تشریح میں آپ نے لکھا ہے کہ "قوی مومن وہ ہے جو ہمت اور عزم کے اعتبار سے مضبوط ہو۔ اس کے برعکس ضعیف مومن وہ ہے جو ذرا سی مصیبت، مشکل یا ناکامی سے ہمت ہار دیتا ہے"۔ اس لحاظ سے پھر کم ہمت مومن میں خیر کا پہلو کس طرح پایا جا سکتا ہے؟

۲- اسی حدیث میں ہے کہ کوئی مصیبت آ جائے تو یوں نہیں کہنا چاہیے کہ "اگر میں یوں کرتا تو یوں ہو جاتا بلکہ اللہ کی رضا پر راضی ہو جانا چاہیے"۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ جو مصیبتیں انسان کے اپنے اعمال کی وجہ سے اس پر آئیں تو کیا پھر بھی انسان کا یہی طرز عمل ہونا چاہیے؟ مثلاً ایک طالب علم نے اپنا وقت پڑھائی میں صحیح طور پر استعمال نہیں کیا اور وہ فیل ہو گیا۔ تو اب اگر محنت نہ کرنا اس کے دل میں حسرت بن جاتا ہے تو کیا ایسا افسوس بھی برا اور غیر مطلوب ہے؟

۳- آپ نے لکھا ہے کہ مسلمان بھائی کے ہاں کھانے کے بارے میں پوچھ گچھ نہ کرنا چاہیے۔ اگر کسی صاحب کے ہاں جانا ہو اور ان کے متعلق معلوم ہو کہ ان کا ذریعہ معاش صریحاً حرام ہے یا ان کی کمائی میں حرام کی آمیزش ہے تو ایسے میں کیا کرنا چاہیے؟

چند اور سوالات بھی ہیں۔

۱- بچپن ہی سے مختلف قسم کے سوالات ذہن میں پیدا ہوتے رہتے ہیں، جو دین کے متعلق بھی ہوتے ہیں۔ حضورؐ نے زیادہ سوالات کرنے سے منع کیا ہے۔ کیا آپ اس کی کچھ وضاحت کریں گے کہ حضورؐ نے کس قسم کے یا کس طریقے سے سوال کرنے سے منع کیا ہے؟

۲- ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ اگر والد بیٹے کو یہ حکم دے کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دو تو بیٹے کو چاہیے کہ وہ بیوی کو طلاق دے دے۔ آج کل ہمارے معاشرے میں کنواری لڑکیوں کی شادیاں بھی ایک مسئلہ ہیں۔ تو کیا ایک طلاق یافتہ لڑکی کی شادی؟ اور بعض خوش دامنیں اپنی بہوؤں کے ساتھ زیادتی بھی کرتی ہیں۔ تو اس حدیث کا اطلاق کس طرح کیا جا سکتا ہے؟

۳- ہمارے موجودہ معاشرے میں پرائیویٹ اداروں اور صنعتوں میں چھوٹے ملازمین کی تنخواہیں کم ہونے اور مہنگائی کی وجہ سے گزارا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ میرے خیال میں موجودہ نظام نے ان

ملازموں کو قدیم دور کے غلاموں کی طرح بنا دیا ہے۔ حضورؐ نے غلاموں کے متعلق فرمایا ہے کہ ”جو تم کھاتے اور پہنتے ہو وہی انھیں بھی کھلاؤ اور پہناؤ“۔ کیا اس حدیث کے مطابق مالکان اس بات کے پابند ہیں کہ وہ اپنے ملازمین کو اتنی تنخواہیں دیں کہ ملازمین کے متعلقین بھی ویسا ہی کھائیں اور پہنیں جیسا کہ مالکان اور ان کے متعلقین کھاتے اور پہنتے ہیں؟

۴- کیا کمپنی ملازمین کے میڈیکل کے اخراجات برداشت کرنے کا پابند کیا جا سکتا ہے؟

۵- ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ ”جو چیز تمھیں سب سے پیاری ہے اسے ... سب سے زیادہ ... اللہ کے محبوب بن جاؤ گے“۔ اگر کوئی نقصان کی نوبت آ جائے تو عام آدمی کا معاملہ اپنے دوستوں، رشتہ داروں سے مدد کا طالب ہوتا ہے۔ تو کیا یہ آدمی مذکورہ حدیث کی رو سے مطلوب درجے کے ایمان سے یا خدا کی محبت سے محروم ہے؟

۱- ارادے اور ہمت کی کمزوری کے باوجود ضعیف مومن میں خیر کا پہلو بہت واضح ہے۔ ایمان خود سب سے بڑا خیر ہے۔ عمل کی کوتاہیوں کا علاج تو استغفار اور توبہ سے ہو سکتا ہے لیکن ایمان نہ ہو تو نجات کی کوئی صورت نہیں ہے۔ کمزور آدمی اگر گرتا پڑتا چلتا ہے تو بھی اس کا چلنا ایک خیر ہے۔ اس طرح جب تک انسان گناہ کر کے اللہ کی طرف پلٹتا رہے گا تو یہ پلٹنا بھی بڑا خیر ہے۔

۲- جو مصیبتیں انسان پر اس لیے آئیں کہ اس نے وہ اعمال نہیں کیے جو اس کے اپنے اختیار میں تھے، ان کے بارے میں اگر انسان اپنا جائزہ لیتا ہے اور انھیں نہ کرنے پر افسوس کرتا ہے تو یہ افسوس میرے نزدیک نبی کریمؐ کی اس ہدایت کے تحت نہیں آتا کہ ”اگر میں یوں کرتا تو یوں ہو جاتا نہ ہو“۔ پھر بھی جو چیز ہو گئی اگرچہ وہ اپنی دانست کوتاہی سے ہوئی ہو اس کی وجہ سے پریشان رہنا یا اس کو دل کی حسرت بنا لینا صحیح نہیں ہو گا۔ اس لیے کہ اس حسرت سے جو کچھ ہو چکا اس کا مداوا نہیں ہو سکتا۔ اگر مداوا ہو سکتا ہو تو حسرت و پریشانی کے بجائے مداوا کرنا چاہیے۔ اختیاری اعمال میں وہ اعمال شامل نہیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی تعمیل میں کیے جائیں۔ مثلاً جہاد پر جانا اور اس کے نتیجے میں شہید ہو جانا۔ اسی طرح اس میں وہ اعمال بھی شامل نہیں ہیں جن میں آدمی ان نتائج سے واقف نہ ہو جو غیب میں ہیں۔ مثلاً نفع کا کوئی موقع آیا اور وہ غفلت سے چھوٹ گیا۔

۳- حدیث میں مسلمان بھائی سے کھانے کے بارے میں پوچھ گچھ کی ممانعت کی گئی ہے۔ پوچھ گچھ وہیں کی جاتی ہے جہاں علم نہ ہو بلکہ محض اندیشہ ہو۔ جہاں آپ کو معلوم ہو کہ حلال ہے یا حرام ہے وہاں تو آپ کو وہی روش اختیار کرنا چاہیے جو شریعت نے بتائی ہے۔

آپ کے دیگر سوالات کے جواب درج ذیل ہیں:

۱- جو سوالات عقائد یا امور غیب کے بارے میں ہوں یا ان سے متعلق ہیں --- جیسے اللہ تعالیٰ کی

ذات صفات کی حقیقت' یا قضا و قدر کا مسئلہ' یا جو کسی مضمون کے لیے غیر ضروری ہیں___ جیسے اصحاب کہف کی تعداد کا مسئلہ' یا جو احکام کے بارے میں غیر ضروری چھان بین اور بال کی کھال نکالنے کے مترادف ہیں' اس قسم کے سوالات وہ ہیں جن سے میری رائے میں منع کیا گیا ہے۔

۲- اس مضمون کی حدیث بے شک ہے اگر میرے علم کی حد تک والدین کے حکم سے بیوی کو طلاق دینے کی ہدایت ایک حکم عام نہیں ہے بلکہ ایسے مخصوص حالات کے لیے ہے جب بیوی بدزبان ہو یا شوہر کے والدین کو ایذا پہنچاتی ہو۔ بیوی کے بھی حقوق ہیں' اور بلاوجہ اسے طلاق دینا اس پر ظلم ہے' اور ہر ظلم خالق کی معصیت ہے۔ اس لیے اگر والدین کا حکم کسی شرعی اور معقول وجہ سے نہ ہو اور صرف والدین کی زیادتی اور ناپسندیدگی کی وجہ سے ہو' تو ایسے حکم کو ماننا ضروری نہیں ہے' چونکہ خالق کی معصیت ہوتی ہو تو مخلوق کی اطاعت نہیں کرنا چاہیے۔

۳- آج کے اداروں میں ملازموں کو قدیم دور کے غلاموں پر قیاس کرنا صحیح نہیں محسوس ہوتا۔ غلام ملکیت ہوتے تھے' چھوڑ کر کہیں اور نہیں جا سکتے تھے' ان کو تنخواہ نہیں ملتی تھی' اور وہ ساری ضروریات کے لیے اپنے مالک پر انحصار کرتے تھے۔ جب کہ آج کے ملازمین اس طرح اداروں کی ملکیت نہیں ہوتے۔ یہ بات اپنی جگہ پر صحیح ہے کہ انسان کو اپنی محنت کا کم سے کم اتنا معاوضہ ضرور ملنا چاہیے جس سے اس کی ضروریات زندگی پوری ہو جائیں۔ لیکن یہ لازم نہیں آتا کہ ایک ادارے میں ملازمین کو اتنے معاوضے دیے جائیں کہ وہ مالکان کی طرح کھائیں اور پہنیں اور زندگی بسر کریں۔ یہ ایک ناممکن العمل بوجھ ہوگا۔ اس طرح ساری صنعتوں اور اداروں کا دیوالیہ نکل جائے گا۔

۴- میری رائے میں مالکان کو ملازمین کے میڈیکل اخراجات برداشت کرنے کا پابند کیا جا سکتا ہے' بشرطیکہ ان کی صنعت و تجارت اس کی استطاعت رکھتی ہو مگر کسی کو ایسی بات کی تکلیف نہیں دی جا سکتی جو اس کی استطاعت سے باہر ہو۔

۵- جو کچھ دنیا والوں کے پاس ہے اس سے بے نیاز ہونے کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ دنیا سے دل کو بے نیاز رکھنا۔ دوسرے یہ کہ جو معاملات دنیا والوں کے ہاتھوں میں ہوں ان کے بارے میں اپنے آپ کو ان کا محتاج نہ سمجھنا۔ سوال کرنے کو اگرچہ پسند نہیں کیا گیا ہے' لیکن مشکل اور مصیبت میں انسان کا انسان سے مدد چاہنا ایک بالکل فطری عمل ہے۔ جب تک آدمی اپنے جیسے انسان کو اصل دینے والا نہ سمجھے اس وقت تک اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (خرم مراد)

مستقل خریدار توجہ فرمائیں

براہ کرم بوقت خط و کتابت آپ کے پتہ پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں تاکہ آپ کی شکایت پر فوری عمل کیا جاسکے۔

سرکولیشن منیجر

کتاب نما

اشاریہ تفہیم القرآن مرتبین: ڈاکٹر خالد علوی، ڈاکٹر جنید شوکت۔ ناشر ادارہ ترجمان القرآن، اردو بازار، لاہور۔ صفحات ۳۸۱۔ قیمت درج نہیں۔

قرآن حکیم کی اردو تفسیروں میں سید مودودی کی "تفہیم القرآن" اس وقت سب سے مقبول تفسیر ہے۔ بلا مبالغہ لاکھوں انسان اس کے مطالعے سے فیض یاب ہوئے، اور ہو رہے ہیں۔ اس تفسیر کی منفرد خصوصیت یہ ہے کہ مطالعہ کنندگان کی رہنمائی کے لیے، اس کی ہر جلد کے آخر میں "فہرست موضوعات" موجود ہے۔ اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ تمام ۶ جلدوں کا ایک مکمل اشاریہ بنایا جائے تاکہ قاری کو ہر جلد کے آخر میں شامل اشاریے کے اوراق الٹنے کی مشکل پیش نہ آئے۔ زیرِ نظر کتاب میں، موجود فہارس کو یکجا کر کے یہ گراں قدر خدمت انجام دی گئی ہے۔

اس اشاریے میں تفہیم کی ۶ جلدوں کی فہارس کو جلدوار یکجا کیا گیا ہے۔ چنانچہ ایک ہی موضوع کے ذیلی عنوانات، الگ الگ جلد نمبروں کے تحت بکھرے ہوئے ہیں اور یہ ایک جیسے بھی نہیں ہیں۔ یہ اشاریہ کہیں زیادہ مفید ہو سکتا تھا، اگر تین باتوں کا مزید اہتمام کر لیا جاتا:

اول: موضوعات اور ان کے ذیلی عنوانات معنوی و لفظی اعتبار سے یکساں بنا دیے جاتے۔

دوم: ذیلی عنوانات جلدوار نہیں بلکہ عنوان وار مرتب کیے جاتے۔

سوم: عنوانات اور حوالوں کے صفحات نمبر کو باہم چیک کر لیا جاتا۔

ان امور کی ضرورت و اہمیت کا اندازہ ایک مثال سے ہو سکے گا۔ جلد اول کے تحت آدم علیہ السلام عنوان کے سامنے صفحات نمبر ۱۷، ۶۳ اور ۶۴ درج ہیں جبکہ ذکر آدم ص ۶۸ تک چلتا ہے، اور صفحات ۶۵ تا ۶۸ پر آدم کے ساتھ حوا کا بھی ذکر ہے۔ اس لیے اوّل تو یہاں ۶۵ تا ۶۸ صفحات کے شمار نمبر درج کرنا ضروری تھا۔ دوسرے یہاں آدم و حوا کا، اور حوا کا اضافی عنوان مطلوب تھا۔ اب "جلد دوم" کے تحت ذیلی عنوان: قصۂ آدم و حوا، جلد اوّل کے ذیلی عنوان سے مختلف ہے۔ پھر اس عنوان

قصہ آدم و حوا کے سامنے صفحات ۵۰۲ تا ۵۰۷ اور ۶۲۷ تا ۶۳۰ درج ہیں۔ ان صفحات پر آدم کا ذکر تو ہے مگر حوا کا ذکر نہیں ملتا۔ اس طرح کی ناہمواریوں کا سبب یہ ہے تفہیم کی ۶ جلدوں کے اشاریے مختلف افراد نے تیار کیے اور ان کے درمیان کئی کئی برسوں کا وقفہ ہے۔ اس لیے ان کے ذیلی عنوانات میں لفظی و معنوی عدم توافق قدرتی تھا۔ اب انھیں یکساں (اور اس طرح بہت زیادہ اور بہ سہولت قابل استفادہ) بنانے کی ضرورت ہے، اور اس کے لیے تمام جلدوں کی موجودہ فہارس کی محتویات کی از سرنو چھان بین کرنی ہوگی۔ مزید برآں عنوانات کو یکساں کرنے کے ساتھ نئے عنوانات قائم کرنا بھی مفید ہو سکتا ہے۔

موجودہ فہارس کا از سرنو جائزہ کیوں اشد ضروری ہے؟ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل مثال سے ہو سکتا ہے۔ ص ۸۱ پر جلد چہارم، اسلامی نظام معاشرت کے تحت یہ ذیلی عنوان (اور صفحہ نمبر) درج ہے: "اس میں رشتہ داروں کے حقوق دوسروں پر فائق ہیں ۷۱"۔ اب یہ عنوان اس آیت سے اخذ کیا گیا ہے: وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ (الاحزاب ۳۳:۶)۔ اسی مفہوم کی آیت سورہ الانفال میں بھی موجود ہے۔ مگر جلد دوم کے تحت رشتہ داروں کے حقوق سے متعلق کسی طرح کا عنوان نہیں ملتا۔ اس کے بجائے اس آیت سے شاید یہ ذیلی عنوان "اہل ایمان کو ایک دوسرے کا حامی و مددگار ہونا چاہیے" ۱۶۳ - اخذ کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے دونوں میں یکسانیت پیدا کرنا ضروری تھا۔

ابتدا میں تیس صفحات پر مشتمل ایک سیر حاصل عالمانہ مقدمہ شامل ہے جس میں لغت القرآن، فہارس الفاظ القرآن، فہارس مضامین القرآن اور قرآنی تراجم کے ساتھ متعلق فہارس کی تفصیل فراہم کی گئی ہے۔

ہمیں امید ہے کہ فاضل مرتبین اسی جذبہ محبت کے تحت اس شدید ضرورت کو پورا کرنے کا بیڑا بھی اٹھائیں گے جس جذبے سے انھوں نے فہارس کو یکجا کیا ہے۔ بہرحال اس وقت تک زیر تبصرہ کتاب قارئین کے لیے بہت مفید ثابت ہوگی۔ (رفیع الدین ہاشمی)

سیرت پاک ﷺ کی خوشبو: ڈاکٹر انعام الحق کوثر۔ ناشر سیرت اکادمی بلوچستان، ۲-۲۷-اے او بلاک نمبر ۲ سیٹلائٹ ٹاؤن کوئٹہ۔ صفحات ۱۷۶۔ قیمت ۸۰ روپے۔

سیرت پاک ﷺ پر تحریرات کا یہ مجموعہ روایتی کتب سیرت سے مختلف ہے۔ سیرت اور دور حاضر کے حوالے سے گیارہ مختلف اہم علمی موضوعات پر شستہ اور رواں زبان میں مفید اور قیمتی معلومات جمع ہو

گئی ہیں۔ مصنف نے معلومات فراہم کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس سے آج کے انسان کے لیے نتائج بھی اخذ کیے ہیں۔ پہلے مضمون "احترام بچہ" میں رسول اللہؐ کے 'بچوں کے بارے میں' معمولات بیان کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ امن و اخوت 'عدل' انسانی حقوق' دعوت و اصلاح اور رسول پاکؐ بطور تاجر کے موضوعات پر اسوۂ حسنہ سے رہنمائی پیش کی گئی ہے۔ اسلامی مملکت کے قیام کے لیے اور پھر نظام مصطفیٰ کے نفاذ اور اس کے لیے عملی تجاویز کے عنوان سے 'اتنی عملی تدابیر و تجاویز جمع کر دی ہیں کہ کام کرنے والوں کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہتا۔ سیرت کے شائقین اس کتاب کو ہاتھ میں لیں گے تو بہت کچھ پائیں گے 'علم بھی' جذبہ عمل بھی اور عملی نقطہ نظر بھی۔ مصنف کی تحریریں عقیدت و محبت میں ڈوبی ہوئی ہیں اور فارسی اور اردو اشعار نے اسلوب بیان میں دل کشی و جاذبیت پیدا کر دی ہے۔ آغاز میں تین ڈپٹی کمشنروں کی شرکت بھی ہے اور ایک نئی بات: دس بارہ اشتہارات بھی زینت کتاب ہیں۔

(مسلم سجاد)

ہمیں رکنا نہیں آتا: مقصود الزمان سحر (شہید)۔ ناشر: الحمد پبلی کیشنز' لیک روڈ' لاہور۔ صفحات ۱۲۴۔ قیمت ۸۰ روپے۔

ایک بے چین اور مضطرب روح کا مالک 'مقصود نہ تو "کیریر میکنگ" پی ایم اے کاکول کے سانچے میں ڈھل سکا' نہ اسے سفر جاپان راس آیا۔ جہاد افغانستان میں شرکت سے البتہ اسے کچھ تسکین ملی۔ نجیب حکومت کے خاتمے پر شوق شہادت کشاں کشاں اسے کشمیر لے گیا اور وہاں ۲۲ مئی ۱۹۹۴ کو وہ اپنی پیشانی پر تمغائے شہادت سجائے اپنے رب کے حضور پیش ہو گیا۔ بے چین اور مضطرب روح کو قرار آ ہی گیا۔

"ہمیں رکنا نہیں آتا" اسی بے قراری و مجبوری اور اضطراب کا فن کارانہ اظہار اور "جہاد و جام شہادت کی آرزو کی طلسم کاری" کا خوب صورت نمونہ ہے۔ مقصود سحر بے انصافی اور جبر و استحصال پر قائم نظام باطل سے بیزار تھے۔ نظم "ایک ورکشاپ میں مکالمہ" کا کم سن مکینک فریاد کناں ہے:

جس نے چھینا ہے بانکپن میرا دور نو کا نظام باطل ہے
ہاں' یہی دور جبر و محرومی میری معصومیت کا قاتل ہے

طرفہ تماشا ہے کہ کلمہ طیبہ کے نام پر قائم ہونے والے اس ملک میں:

ہے گزرنے کو آدھی صدی مگر دور کتنی ہے منزل' یہ کس کو خبر

شاعر احساس کی بھٹی میں تپ رہا ہے' مگر سعید و صالح روح نے احساس کو ایک مثبت رخ دیا ہے

چنانچہ "اس مجموعے میں ایک رجز پڑھتا ہوا جذبہ جہاد' اور ایک بولتی ہوئی آرزوئے شہادت موجود ہے"۔

جذبوں کی صداقت زندہ ہے' ایماں کی حرارت زندہ ہے
جب تک ہے سلامت سر میرا' سودائے شہادت زندہ ہے

سید مودودی کو وہ اپنا "مرشد" اور علامہ اقبال کو "راہبر" سمجھتا ہے۔ اقبال کی شاعری نے اسے زندہ رہنے کا ہنر ہی نہیں' حیات جاوداں کا شعور بھی دیا ہے۔ اس کی شاعری کے رجزیہ اور جہادیہ آہنگ میں اقبال کا اثر واضح ہے۔ یہ مجموعہ مختلف اصناف: غزل' قطعہ' پابند نظم اور آزاد نظم وغیرہ پر مشتمل ہے مگر اہم اور بنیادی بات یہ ہے کہ یہ "شاعری رسمی الفاظ سے نہیں --- جان کے جذبوں اور جسم کے خون گرم سے لکھی گئی ہے۔ یہ اشعار موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تخلیق ہوئے۔ ایسے الفاظ اور جذبوں کے بطن سے قوموں کی پیشانیوں پر تاریخ کی کہکشائیں روشن ہوتی ہیں"۔ (سید ضمیر جعفری)

"ہمیں رکنا نہیں آتا" جذبہ جہاد سے سرشار اور مرتبہ شہادت سے ہم کنار ایک نوجوان کی شعری یادگار ہے۔ ہمارے سکہ بند نقادوں کو' ممکن ہے فنی اعتبار سے اس میں کچھ کمیاں اور خامیاں محسوس ہوں' مگر سحر شہید نے وہ تجربہ کیا ہے' جسے "خون دل میں انگلیاں ڈبو لینے کا تجربہ" کہتے ہیں۔ شہید کے لیے عطاء الحق قاسمی کا یہ خراج تحسین قابل غور ہے: "اس شاعر کے سامنے مجھے اپنے سارے ڈرامے' سارے کالم' سارے سفرنامے اور ساری شاعری بے وقعت محسوس ہوتی ہے۔ چنانچہ میں اس کے بارے میں کیا لکھوں جس نے مجھے آئینہ دکھایا ہے۔ سوائے اس کے کہ یہ نوجوان خوب صورت شاعران سب لکھنے والوں کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ جن کا ادب بے معنویت کے اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مارتا ہے"۔

ولولہ انگیز اور بامعنی شاعری کا یہ مجموعہ' حسن صوری سے بھی مالا مال ہے' مگر قیمت زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ اچھے معیار پر نسبتاً ایک ارزاں ایڈیشن کی اشاعت بہت مناسب ہوگی۔ (ر-ہ)

معاشرہ' جدیدیت اور اسلام ۔ محمد موسیٰ بھٹو۔ ناشر: سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ' ۱۱۸۶ چیمبر کالونی لطیف آباد ۴' حیدر آباد۔ صفحات ۱۴۲۔ قیمت ۲۰ روپے۔

گذشتہ دو سال کے دوران میں لکھے جانے والے چودہ مضامین کا یہ مجموعہ پاکستان کی قومی اور فکری زندگی کے بعض اہم مسائل (قوم پرستی' سیکولرازم' آزادی نسواں' فرقہ واریت' مولوی'

معاشرہ اور نئے دور کے نئے تقاضے 'سندھی مہاجر کشمکش ' سرمایہ داری 'جاگیرداری اور معاشرت کے ہمہ جہتی بگاڑ وغیرہ) سے بحث کرتا ہے۔

مغرب کی مادی تہذیب کے غلبہ و استیلا کے لیے امریکی استعمار 'مسلم معاشروں کو نہایت پرفریب طریقوں سے "نئے عالمی نظام" کے نام پر اپنے دام تزویر میں الجھانے کے لیے کوشاں ہے اور یہود و ہنود کی مدد سے انھیں جدیدیت کا دلدادہ بنانے کے لیے بین الاقوامی سطح پر منصوبہ بندی کر رہا ہے۔ مصنف نے بڑی عمدگی سے اس صورت حال کا تجزیہ کیا ہے 'مثلاً: ان کے خیال میں "موجودہ دور میں عورت کی آزادی کی تحریک ' دراصل عورت کے حقوق کی تحریک نہیں 'بلکہ عورت کو گھر سے باہر نکال کر ' مرد کی ہوس کا شکار بنانے اور زنا و فحاشی کو فروغ دینے کی تحریک ہے۔ اس کا نتیجہ اس کے علاوہ کوئی نہیں نکل سکتا کہ عورت ' مرد کے لیے تفریح کا ذریعہ بن جائے 'بچوں کی تربیت متاثر ہو اور خاندانی نظام تباہ ہو"۔ (ص ۱۷) فرقہ واریت کے مرض کا تجزیہ کرنے کے بعد وہ کہتے ہیں کہ اس کے مفاسد سے بچنے کی صرف ایک صورت ہے کہ "ایمان اور یقین کی فضا پیدا کی جائے 'خود شناسی اور خدا شناسی اور اللہ کی محبت اور معرفت کو عام کرنے کی کوشش کی جائے 'نفس کی خرابیوں کو دور کرنے اور اس کی اصلاح کے لیے خاص انتظام اور اہتمام کیا جائے۔ یہی وہ طریقہ ہے جس سے جماعت کے افراد کے دلوں میں نور معرفت پیدا ہوگا 'جس سے وسعت ظرفی 'رواداری اور محبت کی فضا بڑھے گی"۔ (ص ۱۴۱) یہ تحریریں اسلام 'پاکستان اور امت مسلمہ کے لیے فکرمندی اور دردمندانہ سوچ کی عکاس ہیں ' اور ان کے پس منظر میں جناب محمد موسیٰ بھٹو کا مطالعہ اور مسائل پر غور و فکر اور تدبر اور اصلاح احوال کے لیے ان کا اضطراب بہت واضح ہے۔

ان مضامین کی نوعیت تجزیاتی ہے۔ یہ سندھ کے (ایک لحاظ سے) فتنہ انگیز ماحول کے پس منظر میں لکھے گئے 'اس لیے ان کی اہمیت اور قدر و قیمت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ اس وقت امت مسلمہ کو جدید مادی تہذیب 'نفس پرستی 'خود غرضی اور بحیثیت مجموعی ایک شدید اخلاقی بحران کا جو خطرہ درپیش ہے 'مصنف نے اس کی نشاندہی کے ساتھ 'اس سے عہدہ برآ ہونے اور دینی بنیادوں پر معاشرے کی تعمیر نو کے لیے بعض قابل غور نکات بھی پیش کیے ہیں۔ یہ کتاب ایک دعوت فکر بھی ہے اور دعوت عمل بھی۔ اسے جدید تعلیم یافتہ طبقے 'مذہبی لیڈر شپ اور کالجوں 'یونی ورسٹیوں کے اساتذہ اور طلبہ تک پہنچانے کی ضرورت ہے۔ ممکن ہے یہی مثبت سوچ اذہان میں کسی بڑی تبدیلی کا پیش خیمہ بن جائے۔ (ر-ہ)

نقد و نظر (مجلہ): مدیر: اسلوب احمد انصاری- گل فشاں' سول لائنز' دودھ پور' علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱-
صفحات کم و بیش ۱۲۵- قیمت ۲۵ روپے فی شمارہ' سالانہ ۴۰ روپے-

"نقد و نظر" اردو کا ایک بلند پایہ علمی و تنقیدی مجلہ ہے' جسے پروفیسر اسلوب احمد انصاری ہر ۶ ماہ بعد نہایت باقاعدگی سے مرتب و شائع کرتے ہیں- موصوف بھارت کے ایک نامور دانش ور اور اردو کے جید نقاد ہیں اور علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں ایک لمبے عرصے تک بطور پروفیسر اور صدر شعبہ انگریزی' علمی و تعلیمی خدمات انجام دے چکے ہیں- اس مجلّے میں ادبی تحقیقی و تنقیدی مضامین' تراجم' نظموں اور غزلوں کے تنقیدی تجزیے اور کتابوں پر تبصرے شائع کیے جاتے ہیں-

اردو کی معاصر تخلیقات کا مطالعہ کریں تو اس کا ایک بڑا حصہ بالعموم لامذہبیت بلکہ نفی مذہب' اشتراکیت زدگی' سیکولرازم' تجدیدیت اور لایعنیت کا تاثر پیش کرتا ہے- "نقد و نظر" کا مزاج مثبت' تعمیری اور حقیقت پسندانہ ہے- اور یہ ادبی انتقاد کا ایک معیار پیش کرتا ہے- گذشتہ کئی برسوں سے یہ مجلہ مطالعہ اقبال پر خاص توجہ دے رہا ہے- تازہ ترین شمارے میں پروفیسر آل احمد سرور کی کتاب "دانش ور اقبال" پر تبصرے کے ضمن میں اسلوب صاحب لکھتے ہیں: "تصوف جس طرح کی بے عملی کے لیے راستے کھولتا ہے' وہ زندگی کے بارے میں اقبال کے فعال نقطہ نظر سے ہم آہنگ نہیں ہے"- اور "مغرب سے اقبال نے یقیناً استفادہ کیا ہے لیکن مغربی مفکرین کے خیالات کو انھوں نے صرف اس حد تک قبول کیا ہے' جہاں وہ ان کی اسلامی فکر سے ہم آہنگ ہوں' متصادم نہ ہوں"- ایک اور تبصرے کے ضمن میں انھوں نے کہا ہے کہ: "اگر نیاز فتح پوری واقعی اسلام کی حقانیت پر ایمان رکھتے تھے اور عقلیت پسند تفسیر و تعبیر کے حامی تھے تو انھیں ثقہ عالمان دین پر کیچڑ اچھالنے کے بجائے اسلام پر مثبت انداز میں کوئی تصنیف سامنے لانی چاہیے تھی"- ایک اور جگہ انصاری صاحب لکھتے ہیں: "جس انقلاب روس (۱۹۱۷ء) کو [اختر انصاری مرحوم] نے انسان کی دس ہزار سالہ تاریخ کا سب سے مہتم بالشان واقعہ قرار دیا تھا' اس کا تار و پود پلک جھپکنے میں یعنی صرف ۷۵ سال کے اندر اندر بکھر کر رہ گیا- اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر تابناک اور محیر العقول واقعہ اسلام کی وہ تحریک تھی' جو سرزمین حجاز سے چشمہ حیات کی طرح پھوٹی' وہ اسلام جو ایک لازوال حقیقت ہے اور جس نے تاریخ انسانی کے دھارے کا رخ موڑ دیا"-

"نقد و نظر" ایک بہتر تنقیدی شعور کی آبیاری کے لیے معیاری مجلہ ہے اس کا مطالعہ ادبی ذوق کی تسکین کا باعث ہوگا- (ر- ہ)

سری نگر کی بیٹیاں: ظہور الدین بٹ۔ ناشر: ادارہ مطبوعات سلیمانی' اردو بازار لاہور۔ صفحات: ۱۷۹- قیمت: ۵۰ روپے۔

مقبوضہ کشمیر میں جاری تحریک و جہاد آزادی کے موضوع پر سات کہانیوں کا زیر نظر مجموعہ معروف ادیب اور صحافی ظہور الدین بٹ کی کاوش کا نتیجہ ہے۔ نہتے کشمیریوں پر بھارتی فوجوں کے ہاتھوں توڑے جانے والے مظالم پر مبنی' ان کہانیوں کے بیشتر کردار حقیقی ہیں' تاہم افسانوی کردار بھی ان ہزاروں اور لاکھوں خواتین' نوجوان بیٹوں' بیٹیوں' بچوں اور بوڑھوں کے نمائندہ ہیں جو کئی برس سے وادی کی لہو رنگ سرزمین پر اپنے ناقابل شکست حوصلوں کی داستان رقم کر رہے ہیں۔ ان کہانیوں کو پڑھتے ہوئے بلاشبہ یوں لگتا ہے کہ وادی کشمیر کے مختلف حصوں کے بارے میں فلم چل رہی ہے۔ امید ہے تاریخ اور افسانے کے امتزاج سے تخلیق ہونے والی یہ کہانیاں قبول عام حاصل کریں گی۔

(د-ه)

استقبال رمضان: خرم مراد۔ ناشر: منشورات' ۶ نور چیمبر گنپت روڈ' لاہور۔ صفحات ۴۸- قیمت ۶ روپے' فی سیکڑہ ۳۵۰ روپے۔

جناب مصنف نے چند سال پہلے "استقبال رمضان" کے موضوع پر ایک تقریر فیتہ بند کرائی تھی۔ بعد ازاں اسے کتابچے کی صورت میں شائع کیا گیا اور یہ اب تک تقریباً ایک لاکھ کی تعداد میں شائع ہو چکا ہے۔ ماہ صیام کی مناسبت سے حال ہی میں اس کی تازہ اشاعت منظر عام پر آئی ہے۔

رمضان المبارک' اپنے نفس کے ساتھ جہاد' اور اس ذریعے سے حصول تقویٰ کا مہینہ ہے۔ روزے کے ساتھ' یہ چیز قیام لیل' مطالعہ قرآن' نیکی کی جستجو' ذکر و دعا' جذبہ خدمت خلق اور انفاق فی سبیل اللہ وغیرہ سے حاصل ہو سکتی ہے۔ زیر نظر کتابچے میں رمضان کے ماہ مبارک سے خاطر خواہ استفادے کے لیے دس عملی تدابیر بیان کی گئی ہیں۔ آخر میں امام غزالی کا ایک مختصر مضمون: "روزہ کے آداب و حقیقت" بھی شامل ہے۔ اس ماہ مقدس کی رحمتوں اور برکتوں سے بیش از بیش فیض یابی کے لیے زیر نظر کتابچہ بہت مفید اور نافع ہو سکتا ہے۔ اسے زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے کی ضرورت ہے۔ (د-ه)

200

بستروں پر مشتمل

خدمت انسانی کا

عظیم الشان منصوبہ



— خصوصیات —

● اعلیٰ اخلاقی معیار
● سپیشلسٹ ڈاکٹرز
● ایمرجنسی (۲۴ گھنٹے سروس)
● گائنی (مکمل لیڈیز سٹاف)
● بلڈ بنک (جدید ٹیسٹ اور انتقال خون)
● میڈیکل ڈینٹل و امراض چشم آؤٹ ڈور
● ایکسرے، ای سی جی اور لیبارٹری کے علاوہ
● ایمبولینس سروس
● بچوں کے لیے حفاظتی ٹیکے
● OPD کا آغاز ہو چکا ہے۔

رمضان المبارک نیکیوں کا موسم بہار

اللہ کی راہ میں خرچ

کرنے کا نادر موقع

خدمت اور سعادت، ایک نئے انداز کے ساتھ

13 کروڑ کی خطیر رقم سے تعمیر

ہونے والا جدید ہسپتال

جہیں عوام کو انتہائی مناسب اخراجات میں

معیاری طبی سہولیات فراہم کی جائیں گی

ہسپتال کی تکمیل کے لیے اس سال

مزید دو کروڑ روپے کی رقم درکار ہے

آپ کا پیسہ آخرت میں کام آئے گا

آئیے!

○ اللہ سے تجارت کریں
○ اپنے لیے۔ اپنے ہم وطنوں کے لیے
○ معاشرے سے بیماری کے خاتمہ کے لیے

اکاؤنٹ نمبر برائے عطیات

2588 - 0

MCB لبرٹی مارکیٹ گلبرگ۔ لاہور

(INCOMTAX EXEMPTION NO: RCIT/J -124/47(1) 3176)

خدا اور مخلوق خدا کے سامنے جوابدہی کے احساس کے ساتھ

ثریا عظیم (وقف) ہسپتال چوک چوبرجی لاہور

زیر انتظام: جماعت اسلامی — لاہور

فون : 7120004

MOUNTAIN DEW

REGD. NO. L 5340

PHONE : 7587916 7585590

MONTHLY TARJUMAN-UL-QURAN LAHORE

میرا رب دعا کا بڑا سننے والا ہے

بسم اللہ وعلی برکۃ اللہ

اللّٰھم باسمک اموت واحیٰی

الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور

اللّٰھم انی اعوذ بک من الخبث والخبائث

بسم اللہ توکلت علی اللہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ

اللّٰھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطہرین

اللّٰھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوۃ القائمۃ آت محمدن الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاما محمودن الذی وعدتہ انک لا تخلف المیعاد

الحمد للہ الذی اذھب عنی الاذی وعافانی

الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین

سبحٰن الذی سخر لنا ھذا وما کنا لہ مقرنین وانا الی ربنا لمنقلبون